بس یونہی رشتہ بھول گیا تھا

آسیہ رزاقی

نیلگوں آنکھوں میں شوق دیدار اور مسرت کی جوت جگائے اٹیچی ہاتھ میں لیے وہ کمرے میں داخل ہوا۔ تو ناہید ہڑبڑا کر کھڑی ہو گئی۔ اٹیچی کونے میں رکھ کر وہ جیسے کسی کشش کے تحت کھنچا آیا۔

"کیسی ہو؟ اتنی کمزور کیوں ہو گئیں؟ کیا کھانے کو نہیں ملتا؟"

ناہید خوشی اور حیرت کی ملی جلی کیفیت میں مسکرا رہی تھی۔

"یار! یہ کیا۔ اتنے عرصے بعد آیا ہوں۔ دیکھنا گناہ نہیں ہے۔ ہم کوئی غیر تو نہیں۔ اپنے ہیں۔ دیکھ لو جیسے میں تمہیں دیکھ رہا ہوں لگا کے۔"

وہ بالکل چھوئی موئی کی طرح سمٹ گئی۔ "میں ایسے کس طرح دیکھوں۔" آنکھوں سے

ناولٹ

1

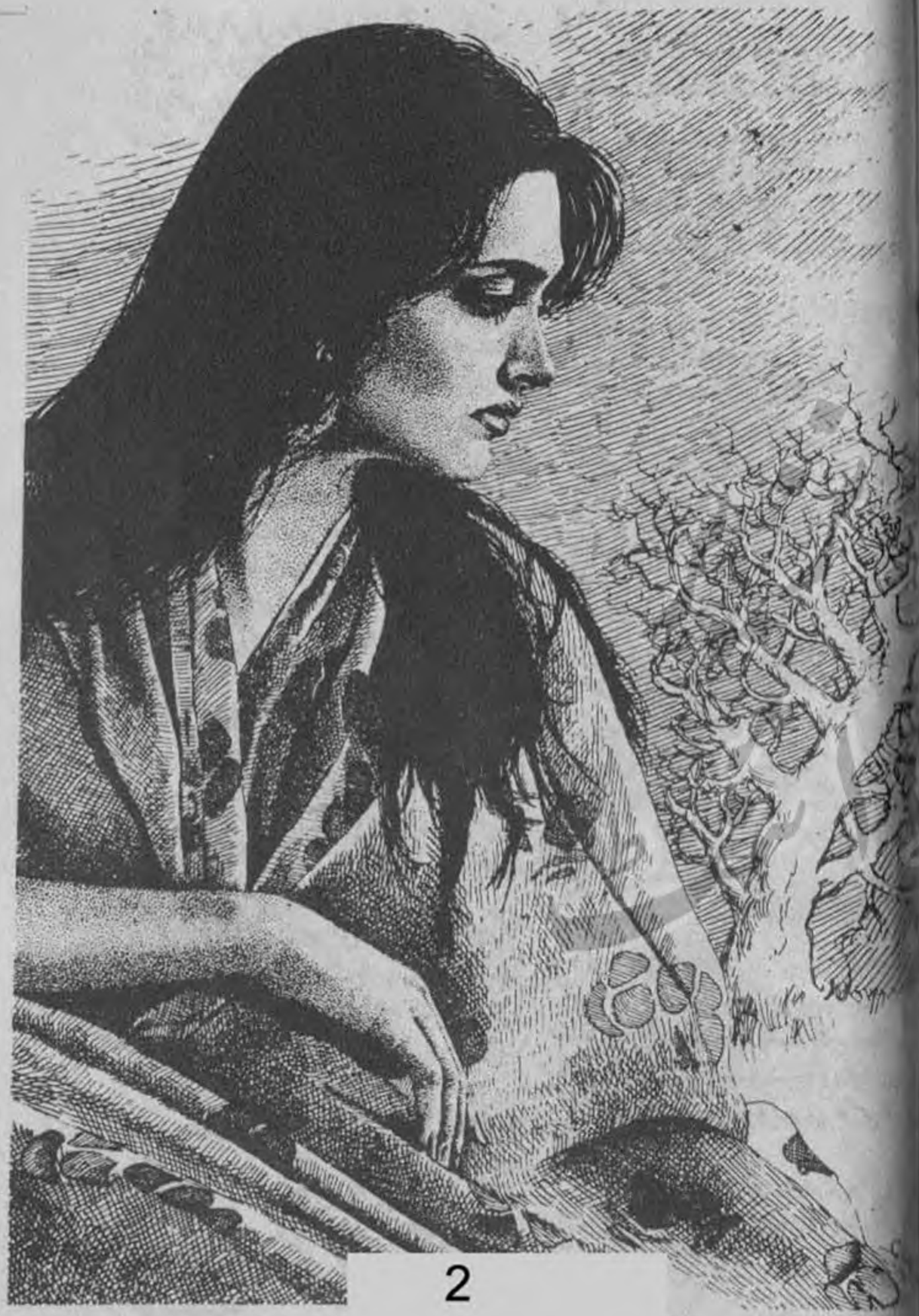

2

ہونٹوں سے زبان سے اس کی توشی تم مشکل نظر اٹھی تو اس کی فراوانی شوق کے بس ہو گئی۔

جوش جذبات میں اسلم کچھ آگے بڑھا باہر صحن سے اماں کی آواز آئی۔ وہ اٹھیں۔

اسلم نے بے چارگی سے خود کو سمیٹا اور نکل گیا۔ شام سے رات ہو گئی تھی اور اسلم آنے کی فرصت نہیں ملی۔ شادی کے کل ان کا ساتھ رہا۔ پھر ناہید کو ملتان چھوڑ کر وہ روانہ ہو گیا۔

کچھ دن وہ ملتان رہی پھر سرور بھائی آئے۔ ملتان سے آئے ہوئے بھی مہینہ ملتان میں وہ دو مہینے رہی۔ تو اس کا فون آتا جاتی۔ مگر لاہور آنے کے بعد وہ آواز بھی فون آتا ضرور تھا مگر چچی اماں بات کر

چچی اماں اس کی ساس بعد میں بنی تھیں۔ چچی اماں تو تھیں ہی نگران کا اکھڑا اکھڑا رویہ خالص ساس ثابت کر رہا تھا۔ یوں بھی برسوں میں کبھی ان سے ملنا ہوتا تھا۔ بے تکلفی نہ تھی۔ چچی اماں اس کی امی سے

عموماً ناراض ہی رہتی تھیں۔ جن خیالات کا اظہار وہ اپنی دیورانی کے بارے میں کرتی رہتی تھیں۔ ان سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ یہ شادی محض اس کے باپ اور چچا کی خواہش پر ہی ہوئی تھی۔

چچی اماں کو ناہید پسند نہ تھی انہوں نے نصرت کی ایک دولت مند اور حسین سہیلی کو اسلم کے لیے پسند کیا ہوا تھا۔ واقعی وہ بہت حسین تھی اور سرمایہ دار باپ کی بیٹی تھی۔ اس کا آنا جانا تھا۔ ناہید نے بھی اسے دیکھا اور قائل ہو گئی۔ وہ واقعی اسلم کے قابل تھی۔ چچی اماں اور نصرت کو اسلم پر ناز تھا۔ وہ بہت وجیہہ و شکیل نوجوان تھا۔ اپنے سب بھائی بہنوں میں سب سے زیادہ خوب صورت۔ گورا رنگ، نیلی آنکھیں اور براؤن بالوں کی وجہ سے وہ کوئی اطالوی لگتا تھا کوئی غیر ملکی۔

دراصل چچا ابا بھی کافی خوب صورت تھے۔ ناہید بھی کچھ کم نہ تھی۔ مگر نصرت کی سہیلی زیبا اپنے لمبے قد اور سنہری بالوں کی وجہ سے زیادہ حسین لگتی تھی۔ پھر اسے اپنے حسن کا احساس بھی بہت تھا۔ اور اس کی ادائیں بھی قاتلانہ تھیں۔ ایسے ایسے تیر آنکھوں سے چلاتی کہ دیکھنے والا گھائل ہو جاتا۔

اسلم کی شادی کے بعد بھی اس کی آمد و رفت کم نہیں ہوئی تھی۔ نہ جانے کیسے ماں باپ تھے اس کے کہ اسے ہر وقت ہر جگہ جانے کی اجازت دے رکھی تھی۔ صبح ہو یا شام، وقت بے وقت آ دھمکتی اور نصرت کے ساتھ گھنٹوں سرگوشیوں میں لگی رہتی۔

جب وہ آتی، نصرت، ناہید کے ساتھ بڑا اہانت آمیز رویہ اختیار کرتی۔ ناہید اس کے آمد کے ساتھ ہی پریشان ہو جاتی۔ ساتھ ہی چچی اماں کی سرد آہیں شروع ہو جاتیں۔ انہیں زیبا کے ہاتھ سے نکل جانے کا صدمہ بھولتا ہی نہ تھا۔ کبھی کبھی اس کا جی چاہتا، وہ چچی اماں سے کہے۔

"آپ مایوس کیوں ہوتی ہیں۔ ابھی اختر بھائی بھی تو ہیں۔"

اس دن رات کو زیبا نے دیر ہو جانے پر اختر سے بڑی لجاجت سے کہا کہ وہ اسے گھر چھوڑ آئے۔ اختر نے کندھے اچکائے اور بے مروتی سے کہا۔

"سوری۔ مجھے غلامی کی عادت نہیں۔"

زیبا ہکا بکا ہو گئی۔ "دراصل، دراصل آج ذرا چھٹی پر تھا۔ مجھے خیال نہیں تھا۔ باتوں میں دیر ہو گئی میں اکیلی کیسے جاؤں۔"

"جیسے آئی تھیں۔ ویسے آپ کو اپنا خیال رکھنا چاہیے۔ دوسروں سے امید نہ رکھیں۔"

"پلیز آج صرف آج آپ مجھے دیکھیں میرے بڑے سخت ہیں۔" وہ واقعی روہانسی ہو گئی۔

"مجھے یقین نہیں۔ اگر وہ ہیں اور سخت بھی ہیں آج سے پہلے کیوں انہیں کچھ نظر نہیں آیا۔ میں آپ کو کبھی لیٹی کبھی فورٹریس میں راتوں کو گھومتا چکا ہوں۔"

نصرت جو اتنی دیر سے اختر کو آنکھیں دکھا رہی تھی بول پڑی۔ "اختر بھیا پلیز ذرا سی دیر ہی تو ہوئی ہے۔"

"ہاں واقعی۔ گیارہ بجے ہیں۔ آدھی رات ہی ہوا ہے۔ ایسا کرو، ٹیکسی لا دیتا ہوں۔ تم پہنچا آؤ۔ ان کے کوئی بھائی وائی بھی تو ہوں گے۔ وہ تمہیں پہنچا جائیں گے۔ ویسے بھائی، بُرا نہیں، کہہ نہیں سکتا۔ بھائی اتنا بے خبر ہو نہیں سکتا کہ بہن کے مشاغل سے تفریحات سے اتنا غافل ہو۔"

اختر نے ماں، بہن کے ساتھ زیبا کو بھی ناراض کر لیا۔

اس رات سرور بھائی کو جگا کر یہ خدمت ان کے سپرد کی گئی۔ سرور کو صبح سویرے آفس کی وجہ سے اٹھنا پڑتا تھا۔ وہ بہت جلد سونے چلے جاتے تھے۔ زیبا ان کے ساتھ موٹر سائیکل پر جاتے ہوئے واقعی گھبرا رہی تھی۔ انہیں جگا کر یہ خدمت سپرد کرنے پر خاصی شرمندہ تھی۔

اس دن کے بعد اس کی آمد و رفت میں واقعی کمی ہو گئی۔ سرور نے اختر کے اس اقدام کو سراہا۔ اگر اختر سختی سے انکار نہ کرتا تو زیبا مسلسل اس کو اپنی غلامی میں رکھتی۔

سرور اسے گھر کے اندر پہنچا کر آیا تھا۔ دل ہی

سے اس کے والدین کو تاکید بھی کر آیا کہ بیٹی کے لیل و نہار سے بے خبر نہ ہوں۔ زمانہ خراب ہے۔ لڑکیاں احمق۔

اس دن سے نصرت اور اماں اختر سے سخت خفا ہو گئیں۔ اس خفگی میں ناہید بھی شامل ہو گئی۔ انہیں اختر کے ساتھ ناہید پر بھی اعتراض تھا۔ اور اکثر اس کا ذکر ہوتا کہ ناہید، اختر کو مجبور کرتی تو وہ انکار نہ کرتا۔ گویا الزام ناہید پر آ گیا۔

بعد میں سرور نے اماں سے کہا۔ "اماں! اختر نے ٹھیک کیا۔ جوان لڑکی ہے۔ کل کو کوئی بات ہوئی تو اختر کا نام بھی آئے گا۔"

"کیوں، وہ کوئی ایسی ویسی لڑکی ہے۔" اماں کو غصہ آ گیا۔

"جیسی بھی ہے۔ آپ نصرت کو بھی سمجھا دیں۔ زیادہ راہ و رسم اپنے جیسوں سے تو ہو مگر وہ ایک اونچے طبقے کی ہے۔ اونچا طبقہ بھی کیا۔ سمجھ لیں کہ ان کا حلقہ وہی ہے۔ جسے آپ نو دولتیے اور ہم لوگ ناجائز کمائی سے دولت بٹورنے والے کہتے ہیں۔ اماں! ان کا معاشرہ ہم سے میل نہیں کھاتا۔"

سرور نے سمجھانے کی پوری کوشش کی، اماں تو چپ ہو گئیں۔ مگر نصرت، سرور سے بھی ناراض ہو گئی۔

اسلم کو اماں کے پاس گئے کتنی دیر ہو چکی تھی، ناہید انتظار کر کر کے تھک گئی۔ نہ جانے کون سی داستان چھڑی ہوئی تھی کہ ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔ ناہید کا دل تو چاہ رہا تھا۔ وہ بھی ان کی محفل میں شریک ہو۔ مگر وہ نصرت کی تیکھی چتون اور طنزیہ جملوں سے بہت گھبراتی تھی۔ چچی اماں تو پھر بھی کسی بات پر کہہ کر بھڑاس نکال لیتیں اور کچھ دیر کے لیے ان کا رویہ بھی درست رہتا۔ مگر نصرت کی تیوری کے بل ناہید کو دیکھتے ہی گہرے ہو جاتے۔ زیبا کے واقعے کے بعد اس کا رویہ زیادہ ہی خراب رہنے لگا تھا۔

اور نصرت کا رویہ تو سلطانہ آپا سے بھی بہت عجیب تھا۔ کبھی تو وہ ان سے خوش رہتی۔ کبھی خفا۔ سلطانہ آپا ناہید کی ماموں زاد بہن تھیں۔ ان کی شادی سرور سے بڑے معرکے کے بعد ہوئی تھی اور شادی کے بعد بھی انہیں ساس، نند کی حمایت حاصل نہ ہو سکی۔ کیونکہ یہ شادی سرور بھائی کی پسند کی تھی اور چچی اماں کو اس سے اختلاف تھا۔ شادی کے بعد ایک دن بھی سلطانہ کو سکون نہ ملا۔ جوں ہی انہیں ناہید اور اسلم کے رشتے کی بھنک ملی۔ وہ گھبرا گئیں۔ انہیں ناہید کی سادگی، معصوم فطرت اور کم گوئی کا اندازہ تھا۔ انہوں نے اپنی پھوپھو کو منع کرنا چاہا۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی اور تھا۔

سرور اپنے چچا کی عیادت کے لیے ملتان گیا تھا۔ وہاں بیمار اور کمزور چچا کی حالت دیکھ کر بہت پریشان ہوا۔ وہ دو جوان بیٹیوں کی وجہ سے بہت فکر مند تھے۔ چچی جان تو بہت باہمت، حوصلے والی تھیں۔ شوہر کی خراب صحت کے پیش نظر انہوں نے ایک اسکول میں سروس کر لی تھی۔ چچا نے ملتان میں گھر بنا لیا تھا اور اچھے وقتوں میں بنایا تھا جو آمدنی کا ذریعہ بھی بن گیا۔ ایک پورشن انہوں نے کرائے پر دیا ہوا تھا۔

سرور نے متفکر چچا کو بہت تسلی دی اور ان کی صحت کی دعا کے ساتھ وعدہ کیا کہ ناہید اور شبنم کی شادیوں کی وہ فکر نہ کریں۔ میں خود رشتہ کراؤں گا۔"

تب چچا نے سرور کے والد کا وہ خط دکھایا۔ جس میں انہوں نے بھائی سے ان کی دونوں بیٹیوں کے رشتے طلب کیے تھے۔

"میرے تین بیٹے ہیں۔ جن دو کو پسند کرو۔ حاضر ہیں۔"

سرور حیران ہوا تھا۔ ابا جان نے اس سے تو کچھ ذکر نہیں کیا۔ شاید اس لیے کہ وہ اس سے پہلے سلطانہ کا ذکر کر چکا تھا۔ ابا کی زندگی میں ہی اس کی ضد شروع ہو گئی تھی اور حالانکہ اماں اسے اپنی بھتیجی تا بندہ سے بیاہنا چاہتی تھیں۔ اسی لیے ماں، بیٹے میں کھنچاؤ تھا اور ابا کو اپنے سالے اور ان کی اولاد سے دلچسپی بھی نہ تھی۔ بلکہ وہ پسند نہیں کرتے تھے۔ تو اسی لیے سرور کے حمایتی بن گئے اور خود انہوں نے بڑی دھوم دھام سے سرور کی شادی کی تھی اور اس کے بعد بھی کبھی انہوں نے اپنی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔

سرور کو پہلی بار خط کے ذریعے سے علم ہوا، تب اسے خیال آیا کہ ابا نے اماں سے ضرور کہا ہو گا۔ ابا تو

اپنے چھوٹے بھائی سے بہت محبت تھی، پھر اماں اور چچی جان کی چپقلش سے بھی وہ بہت بیزار رہتے تھے۔
اماں ضدی اور ہٹ دھرم تھیں، ابا کی نیک نفسی اور شرافت کے علاوہ ان کے پختہ اصول تھے کہ اماں کو انہوں نے خود پر حاوی نہ ہونے دیا۔ بلکہ قائدانہ صلاحیت کے بل پر انہیں من مانی کرنے سے بھی روکا سرور کی شادی، نزہت کا رشتہ دونوں رشتے اماں کو پسند نہ تھے مگر ابا نے اماں کی بودی دلیلوں کو نظر انداز کر دیا۔ نزہت اپنے گھر میں خوش تھیں اور سرور بھی۔
ابا اس کی شادی کے دو سال بعد فوت ہوئے تھے۔ ان کی زندگی تک تو حالات کچھ قابو میں تھے بھی۔ مگر ان کی وفات کے بعد اماں سلطانہ سے اس قدر بیزار رہنے لگیں اور کھینچا تانی اتنی بڑھ گئی کہ سرور نے گھر کا وہ حصہ جو کرائے پر تھا۔ خالی کرا کے ان میں رہائش اختیار کر لی۔ اور کرایہ باقاعدہ ماں کو دینے لگا۔ اس کی یہ علیحدگی بھی سلطانہ کے نام لکھ دی گئی۔ کہ وہ چاہتی ہی نہیں سسرال میں رہنا۔
اماں نے یہی تاثر پیش کیا کہ بہو آفت کی پرکالا ہے۔ سرور کو کھلا پلا کر قابو کر لیا ہے۔ اب ماں، بہن کون۔ جو ہیں وہ بیگم ہیں۔"
اماں کی باتوں کا اثر خاص طور پر اسلم پر تو بہت ہوا۔ اسے بھائی کے الگ جا رہنے کی شکایت تھی۔ اس کی تلافی کے لیے وہ خود ماں، بہن کی خوشنودی میں لگ گیا۔ جب بھی اماں سرور اور سلطانہ کی شکایت کرتیں وہ انہیں تسلی دیتا۔
"اماں، تو کیا ہوا۔ کہیں دور تو نہیں گئے وہ۔ گھر تو ایک ہی ہے اور آپ کے دو بیٹے اور ہیں۔ آپ فکر نہ کیا کریں۔"
"شادی ہونے کی دیر ہے بیٹے! تم بھی بدل جاؤ گے۔"
"تو بس میں شادی ہی نہیں کروں گا۔"
"اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ آپ کو خود پر اعتماد ہی نہیں۔" نصرت نے کہا۔
"اچھا پھر آزما لینا۔"
وہ مطمئن تھا اور شادی سے پہلے ہی وہ ان کی ہر بات کو حکم کا درجہ دینے لگا۔ پھر ہوا یوں کہ اس کا تبادلہ حیدر آباد کر دیا گیا اور جب سرور نے اسے والد کی خواہش اور خط کے متعلق بتایا تو وہ چپ ہو گیا۔ اماں کے حکم کا منتظر۔
سرور نے اماں سے اس پیرائے میں بات کی گویا وہ اس بات سے واقف ہے کہ ابا نے اماں کے علم میں لا کر چچا کو خط لکھا تھا۔ اماں نے انکار نہیں کیا۔ مگر دیورانی سے "دل نہ ملنا" ان کا مزاج اور ہے۔ پتا نہیں بیٹیاں کس مزاج کی ہیں "یا یہ گندہ" سلطانہ تو اور بھی مغرور ہو جائے گی، پھوپھی زاد بہن دیورانی بن کر آئی تو۔ میرے خلاف محاذ قائم کر لے گی۔"
اس پر سرور نے وعدہ کیا کہ سلطانہ ان کے کسی معاملے میں دخل نہیں دے گی۔ چچا کے نام ابا کا خط دیکھ کر سب ہی متاثر تھے۔ اختر نے اسلم کو اکسایا، سرور نے بھی زور دیا۔ اماں کو مرحوم شوہر کی وصیت کا بھی خیال آیا۔
نزہت نے شارجہ سے فون پر اماں سے بات کی اور مجبور کیا کہ وہ اس رشتے کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔
"ناہید بہت اچھی لڑکی ہے۔ بلکہ دونوں بہنیں بے مثال ہیں۔ اماں میں شارجہ آنے سے پہلے ملتان گئی تھی۔ چچا بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ آپ دیر نہ کریں پلیز۔"
"بیٹا! نصرت نہیں مان رہی۔" اماں نے کمزور لہجے کو دبنگ بنایا۔ "اس کی ایک سہیلی ہے۔ بہت خوب صورت ہے۔ دولت مند باپ کی بیٹی ہے۔ قسمت بدل جائے گی اسلم کی، اتنا جہیز ملے گا۔ ایک کوٹھی بھی اس کے نام ہے۔"
"اماں! کہیں جہیز سے بھی قسمت بدلا کرتی ہے۔ اونچے خیالوں کی لڑکی اپنے ساتھ اپنا غرور اور نخرا بھی لائے گی۔ اماں دولت کے چکر میں نہ پڑیں۔ کیا پتا وہ ہمارے لیے بہتر نہ ہو۔ انجان لوگوں سے اپنے بہتر ہوتے ہیں۔"
"نزہت! تم نے دیکھا نہیں، بہت ہی حسین لڑکی ہے۔ چاند سورج کی جوڑی لگے گی۔"
"اماں! وہ چاند ہی ہو گی۔ مگر میرے ابا کی خواہش

نہیں ہے۔ میرے چچا کی اولاد نہیں ہے۔ وہ غیر ہے غیر۔"
"تو سرور کی بیوی کون سی اپنی ہے۔" اماں بگڑیں دیکھ لو۔ کیسے الگ کر لیا سرور کو۔"
"الگ اماں ایک گھر کو آپ الگ تو نہ کہیں۔ اگر سرور بھائی کہیں دور چلے جاتے بھابھی کے کہنے سے۔ پھر شکر کریں کہ وہ بھی بالکل غیر نہیں۔ پڑھی لکھی سمجھ دار ہیں۔"
"اچھی سمجھ داری ہے کہ سسرال میں نہیں رہنا۔"
"اماں! آپ نے خود ہی انہیں دور سمجھ لیا ہے۔ خیر آپ کی مرضی۔ اب آپ نصرت کے مشوروں پر ہی عمل کریں۔ بہت تجربے کار ہیں وہ اور عقل مند بھی۔ میرے خیال میں میرے باپ چچا اہم ہیں۔ ان کا تجربہ اور علم شاید آپ کی نظر میں نصرت سے زیادہ نہ ہو گا۔ میرا خیال مختلف ہے۔"
نزہت کی خفگی، سرور کا اصرار اسلم خاموشی نیم رضا کا ثبوت، اختر بھی بڑھ بڑھ کے بول رہا تھا بے چاری مجبور ہو گئیں اور سب کو لے کر ملتان چلی گئیں۔ نکاح کر کے اسلم حیدر آباد روانہ ہو گیا۔ اسلم کے چچا بھی شاید اس انتظار ہی میں تھے کہ نکاح کے چار دن بعد جبکہ اماں نصرت اور سلطانہ ملتان میں تھیں۔ سرور اور اختر جا چکے تھے۔
ناہید کے والد کا انتقال ہو گیا۔ دس بارہ دن رہ کر سب لوگ آ گئے۔ دنیا کا ہر کام ویسے ہی چلتا رہا۔ ناہید کی امی اسکول جانے لگیں۔ نجیبہ کا کالج کھل گیا تھا۔ ناہید بی ایس سی کر کے گھر بیٹھی تھی۔ اب اس کا آگے پڑھنے کا خواب ادھورا رہ گیا۔
چچی اماں کو اعلا تعلیم یافتہ بہو منظور نہ تھی۔ اب اسے رخصتی کا انتظار تھا اور بس۔ اسلم کو عرصے بعد اس نے دیکھا تھا اور وہ بھی شریک زندگی کے روپ میں۔ کتنا خوب صورت بھیلا جوان اس نے تو اس بارے میں کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ اس کا کوئی آئیڈیل ہی تھا۔ اس کی سہیلیوں نے اسے ایک شاندار شریک زندگی ملنے پر بے حد مبارک بادیں دی تھیں۔ واقعی وہ جتنا فخر کرتی کم تھا۔ مگر رخصتی کے بعد اس کے سارے خواب بکھر گئے۔
اسلم اسے کتنا چاہتا ہے وہ اندازہ نہ کر پائی۔ اس کا زیادہ عرصہ ماں، بہن کے پاس گزرتا۔ وہ جب بھی ان کے پاس جا کر بیٹھتی۔ ساس چپ ہو جاتیں۔ نند کا منہ بن جاتا اور ایک دن تو جب اسلم کے حیدر آباد جانے میں دو دن باقی تھے اور اسلم سے اس کی بات بھی نہیں ہو سکی تھی کہ ماں، بہن کی خوشنودی کے لیے وہ رات کے دو بجے تک اماں کے پاس ہی بیٹھا رہا تھا۔ ناہید شام کو ان لوگوں کے پاس آ کر بیٹھی ہی تھی کہ نصرت نے منہ بنا کر کہا۔
"اب تو بھیا ہمیں تنہا مل ہی نہیں سکیں گے۔ کبھی کبھی بندہ، بہن سے کوئی بات ہی کرنا چاہے۔ تو اب یہ ممکن نہیں۔"
ناہید جیسے شرم سے زمین میں گڑ گئی۔ وہ کیا کہتی۔ دو دو بجے رات تک بہن بھائی سے کوئی بات نہ کر سکے۔ شام سے رات تک اپنے کاموں میں الجھائے رہے۔ کیا اسے اسلم سے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ وہ بات کرنے کو ترستی رہے اور اسلم بہن کی بات پر کھسیانا ہو کر ہنسنے لگا۔
ناہید اٹھ کر آ گئی۔ جیسے چوری کرتے پکڑی گئی ہو اور کسی نے اسے روکا بھی نہیں۔ اسلم نے بھی نہیں۔ اس کا دل مرجھا گیا، مگر رات کو جب اسلم نے اپنی مجبوری، ماں سے کیے عہد کا ذکر کیا اور کافی حد تک اس کی دل جوئی بھی کی تو وہ سب کچھ بھول گئی۔ بقیہ دو دن اس نے ناہید کے ساتھ گزارے۔ وہ اس طرح کہ اسے ساتھ لے کر پہلے رشتہ داروں سے ملنے گیا۔ شام کو سرور اور سلطانہ کے ہاں گئے۔ کھانا وہیں کھایا، اختر بھی آ گیا۔ خوب ہنسی مذاق ہوتا رہا۔ دلچسپ محفل جمی سلطانہ بہت خوش مزاج تھی۔ سرور بھی ہنس مکھ اور لاپروا۔ اختر تو تھا ہی مزاحیہ کردار نہ جانے اسلم اتنا سنجیدہ کیوں تھا۔
اور اب مہینوں بعد وہ آیا بھی تو پھر اماں کے پاس سے ہٹنے کی اجازت نہ ملی۔ شام سے رات ہو گئی۔ نہ جانے کتنے قصے تھے جو اسی وقت سنانے لازمی تھے۔ پھر

لھانے کا وقت ہوا۔ اسلم متوقع نظروں سے ناہید کا انتظار کرنے لگا۔ اختر نے کہا۔
"بھابھی رات کو کھانا نہیں کھاتیں۔"
"روز نہیں کھاتیں۔ مگر آج بھیا کی وجہ سے ہی آجاتیں۔ جب سے بھیا آئے ہیں۔ ہم نے تو ان کی شکل ہی نہیں دیکھی۔ کمرے سے نکلی ہی نہیں۔ بس اپنے کمرے کے سوا ان کا دل کہیں لگتا جو نہیں۔" نصرت بولی۔
"تم جوان پر طنز کے تیر برسایا کرتی ہو۔ اس لیے اپنے کمرے کو قلعہ سمجھ کر وہیں محفوظ سمجھتی ہیں۔"
"اوئی اللہ، جھوٹ نہ بولیں اختر بھائی نصرت اچھل پڑی۔
"مجھے جھوٹ بولنے کی عادت نہیں۔ کیونکہ میری فطرت تم سے بالکل مختلف ہے۔" اختر کا اطمینان۔
"امی! سن رہی ہیں اختر بھائی کی باتیں۔" وہ منمنائی۔
"امی سب سنتی اور سب دیکھتی ہیں۔ وہ بھی جو تم بھابھی کے ساتھ رویہ رکھتی ہو۔ ہر بات پر اعتراض اور نکتہ چینی۔ اسی لیے وہ کمرے میں قیدی کی زندگی گزار رہی ہیں۔"
"اختر! چپ رہو۔" اماں نے اختر کو گھرکا۔ "تمہیں ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔"
"ظاہر ہے۔ نصرت کو ہی سب کچھ زیب دیتا ہے۔ میں تو بھیا کو بتانا چاہتا ہوں کہ بہن صاحبہ کا رویہ بھابھی سے ایسا ہے، جیسے وہ کوئی خاندان غلاماں سے تعلق رکھتی ہیں۔ بندہ محبت نہیں کر سکتا نہ کرے۔ عزت تو کر ہی سکتا ہے۔ نہ صرف وہ اس گھر کی بہو۔ بلکہ ہمارے چچا کی اولاد ہیں۔"
"ہاں جیسے۔ تم عزت کے رکھوالے۔"
"بے شک میں عزت کرتا ہوں۔ بلکہ اس گھر میں میں ہی اپنی دونوں بھابیوں کی عزت کرتا ہوں۔"
نصرت منہ بسورنے لگی۔ اماں کو اور جلال آیا۔
"اگر انہیں عزت کرانی ہے تو وہ بھی اپنا رویہ درست کریں۔ تمہاری باتوں سے اور بھی ان کے غرور میں اضافہ ہوتا ہے۔ ارے مجھے تو لگتا ہے ہم لوگ لونڈی ہیں وہ بیگم مہارانی، ملکہ عالیہ، ناشتے، کھانے کے وقت بلائے بغیر نہیں آئیں۔ تم کیا بتاؤ گے اسلم کو۔ وہ خود ہی دیکھ لے گا۔ ہاں یہ اور بات کہ انہیں دیکھ کر انداز بدل جائیں۔"
"دیکھا۔ ہوئی ناں وہی بات۔" اختر چہک کر بولا "آج اگر وہ اپنے معمول سے ہٹ کر بھیا کی وجہ سے آجاتیں۔ تو آپ یہی کہتیں کہ اسلم کی وجہ سے انداز بدل گئے اور میرے خیال میں انہیں انداز بدلنے میں جھجک ہوتی ہے۔"
اماں اختر پر خفا ہوتی رہیں۔ اسلم کو کھانا بھی دو بھر ہو رہا تھا۔ کیسی فضول سی گفتگو۔ آخر اختر چپ کیوں نہیں ہو جاتا۔ کھانا کسی طور ختم کر کے وہ گھر سے باہر چلا گیا۔
ناہید کا دل چاہتا تھا۔ چپ چاپ لیٹ کر سو جائے۔ وہ جلدی سو جانے کی عادی تھی۔ مگر اسلم ناراض نہ ہوں۔ شام کو جھلک دکھا کر جو غائب ہوئے تو اب ساڑھے دس ہو چکے تھے نیند بھگانے کے سارے جتن وہ کر چکی تھی۔ کرسی پر بیٹھے بیٹھے کمر اکڑ گئی۔ پیر سن ہو گئے۔ مگر بستر پر کمر ٹکانے کے بعد جاگتے رہنا امر محال ہوتا۔
گیارہ بجے وہ اندر آیا۔ اسے کرسی پر بیٹھے دیکھ کر اپنی جگہ ٹھٹک گیا۔ "تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟"
وہ نصرت کی زبانی سن چکا تھا کہ وہ نو بجے ہی سو جاتی ہے۔
"سو جانا چاہیے تھا؟"
"ہاں کافی وقت ہو گیا ہے۔ تمہیں آرام کرنا چاہیے۔ اصل میں کھانا کھا کر ٹہلنے نکلا تو بھائی جان مل گئے، ان کے ساتھ ہی چلا گیا۔ بھابھی سے گپ شپ میں دیر ہو گئی۔"
"آپ جاتے ہیں بھائی جان کے ہاں؟"
"ہاں کیوں؟"
"سنا ہے کہ آپ سب سے زیادہ ناراض ہیں ان سے۔ سلطانہ آپا کی وجہ سے۔ ان کے گھر جاتے بھی نہیں۔"
"تم بھول گئیں۔ حیدر آباد جانے سے پہلے میں تم

اور اختر ان ہی کے گھر دیر تک بیٹھے رہے۔"
"یاد تو ہے۔ مگر وہ تو شاید میرے رشتے کی وجہ سے آپ۔"
"تمہیں جو بھی کسی نے بتایا، وہ غلط فہمی ہو سکتی ہے۔" اسلم نے سنجیدگی سے کہا۔ "وہ میرے بڑے بھائی ہیں۔ میرا ان سے اختلاف رائے ہو سکتا ہے۔ میں بھلا انہیں کسی وجہ سے بھی کیوں چھوڑوں گا اور تم نے دیکھا ہو گا۔ بھائی جان بھی برابر اس گھر میں آتے ہیں۔ اماں ان سے مشورے لیتی ہیں۔"
"ہاں مگر سلطانہ آپا کا داخلہ تو بند ہے۔ وہ کبھی نہیں آتیں۔"
"وہ سب بھی کچھ عرصے کی بات ہے۔ تم ان قصوں سے دور رہو تو بہتر ہے۔ رات کا کھانا کیوں چھوڑ رکھا ہے تم نے؟" اچانک موضوع گفتگو بدل گیا۔
"ایسے ہی۔ آج دل چاہ رہا تھا کہ سب کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاؤں پھر شرم آئی۔"
"بھابھی بھی یہی کہہ رہی تھیں۔ کبھی ایسا بھی ہوا ہو گا کہ بھوک لگی ہو گی اور شرم کی وجہ سے نہیں کھایا۔"
"ہاں۔ آج بھی۔ اصل میں جلدی سو جاتی ہوں اگر آج دیر تک جاگنا پڑا تو بھوک۔ مگر میں برداشت کر لیتی ہوں۔"
"نادانی، اپنا نقصان۔" اسلم نے ایک شاپر سامنے رکھا اور اس میں سے مختلف لفافے نکال کر میز پر رکھنے شروع کر دیے۔ نمکو کئی قسم کے تھے۔ کیک پیسٹری، سیب، کیلے۔
"یہ سب سامان علاوہ فروٹ کے آپ اپنی الماری میں رکھیں جب بھوک لگے۔ کھا لینا۔"
"یہ۔ یہ تو بہت بری سی بات ہے۔ سب لیا کہیں سے۔" وہ یکدم پریشان ہو گئی۔
"سب بھوکے نہیں سوتے اور آج سے بعد سے وقت کے کھانے کی عادت ڈالو ورنہ میں خفا ہو جاؤں گا۔" اسلم نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی اور کیک بسکٹ کھانے کی کھلائے۔ کیلے اور سیب خود کاٹ کر دیے۔
"یہ آپ کا راشن ہے۔ وقت بے وقت بھوک لگنے پر اس کا سہارا لینا۔ میں اختر سے کہوں گا، وہ روز سیب لا دیا کرے گا۔"
"نہیں، نہیں اختر بھائی سے کچھ نہ کہیں۔ میں بس ٹھیک تو ہے اتنا سب۔ میں کوئی ہمنی تو نہیں جو اتنا سب کھا جاؤں گی۔"
"اچھا خیر آپ کی اجازت قطعاً" نہیں چاہیے مجھے در کل ہی میں ڈاکٹر سے ٹائم لوں گا۔ بھابھی کہہ رہی تھیں۔ شہناز اچھی ڈاکٹر ہے۔ ان کی بہترین دوست ہے۔ ہمارے محلے کی ہے۔"
وہ سلطانہ آپا سے پروگرام بنا کر ہی آیا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

نصرت کو بڑا غصہ آیا۔ جب بھیا اس کو نظر انداز کر کے ناہید کو ڈاکٹر کے پاس لے جانے لگا۔ حالانکہ وہ کہہ چکی تھی کہ اسے ثروت کے پاس ضروری جانا ہے۔ اختر تو "بے مقصد غلامی کا قائل" نہ تھا۔ اس سے کہہ کر بات کھونے والی بات تھی۔
"میں تیار ہو گئی ہوں اب۔ بھیا پلیز، پہلے مجھے چھوڑ آئیں۔"
"لیکن میں ڈاکٹر سے ٹائم لے چکا ہوں۔ وہ بہت مصروف ہے۔ ٹائم نہیں دے گی، ورنہ ناہید کو کل لے جاتا۔ تم کو کل لے چلوں گا۔" عاجزی سے اس نے کہا۔
نصرت پیر پٹختی، ماں کے کمرے میں آئی ہوں۔ "میری کیا وقعت بھلا اب تو جو ہیں بیگم صاحب ہیں۔"
اس نے رونا شروع کیا تو اماں پریشان ہو کر اس کے قریب آ گئیں ڈاکٹر نے ناہید کے معائنے کے بعد اسلم کو تفصیل سے بتایا۔
"ناہید بہت کمزور ہے۔ خون کی کمی ہے، بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ کئی ٹیسٹ بتائے جو فوری کرانے ہیں اور رپورٹ شہناز کو لا کر دینا ہے۔ اس کے علاوہ طاقت کی دوا اور کیلشیم فورا" شروع کرے۔ آرام ضروری ہے انجکشن کا کورس کرانا ہے۔ ہر ہفتے معائنے کے لیے آنا ہے وغیرہ وغیرہ۔"
اسلم نے دوائیں لے لیں۔ ٹیسٹ بھی کرائے۔ رپورٹ تو اگلے دن ملنی تھی۔ گھر آ کر سب سے پہلے

اماں کے سوالوں کا جواب کہ اتنی دیر کیوں ہو گئی۔ کوئی آپریشن تو ہونا نہیں تھا۔ اسلم نے تفصیل بتائی دوائیں انجیکشن دکھائے۔ احتیاط کی تاکید اور ٹیسٹ وغیرہ اسی لیے دیر ہو گئی۔

اماں کو پتا نہیں کیوں غصہ آگیا۔

"بس رہنے دو۔" انہوں نے سر دتا جھٹک دیا۔ کھٹ سے پاندان بند کیا۔ ہم نے تو نہ یہ چونچلے دیکھے نہ کیے۔ بہت تجربے کار ہو گئے ہو تم کہ جھٹ سے ڈاکٹروں کے چکر میں پڑ گئے۔ ہم نے بھی بچے پیدا کیے ہیں۔ مگر یہ آج کل کی لڑکیاں توبہ توبہ۔ شرم تو میکے میں چھوڑ آتی ہیں۔ میاں کو گھر آئے دیر لگتی ہوئی تھی کہ بیماریوں کی فہرست تھما دی اور میاں ایسے حکم کے بندے۔ آنکھ بند کر کے یقین کر لیا۔ میں کہتی ہوں کون سی مشقت کرتی ہیں۔ دلہن بیگم۔ سوئی تک تو پکڑتی نہیں لے جاؤ میاں' بیوی کو۔ بنا لو ہتھیلی کا چھالا ساری عمر کرتے رہنا غلامی۔ یہی چاہتی ہیں نا بیگم تو کرو تم خدمتیں۔ میں کون ہوتی ہوں تمہاری۔ مجھے کیا بتانے آئے ہو۔"

اسلم سے تو جواب نہ بن پڑا' وہ سٹپٹا کر باہر نکل گیا۔ مگر ناہید پر تو منوں بوجھ ندامت کا آگرا۔ شرم' غیرت' پچھتاوے نے نظریں اٹھانے کے قابل نہ چھوڑا۔

نصرت کھڑکی میں کھڑی دیکھتی رہی۔ مسکراتی رہی اس کے سینے کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔ اس نے تو اماں کو بھائی بھاوج کے خلاف ورغلایا تھا۔

ناہید نے چچی اماں کے ڈر سے لیٹنے کا پروگرام ملتوی کر دیا۔ رات تک وہیں بیٹھی رہی۔

اگلے دن بوا گھبراتی ہوئی اسلم کے پاس آئیں اور بتایا کہ ناہید کچن میں ایسے کام کر رہی ہے جو کہ نہیں کرنے چاہئیں۔ بیگم صاحبہ نے کوفتے پکانے کا کہا ہے۔ آپ کو پسند ہیں' اس لیے اور ناہید بی بی سل پر قیمہ پیسنے لگی ہیں۔ جھک کر کام کرنے کا یہ موقعہ نہیں ہے میاں۔ بچی کی نشین تھی قیمہ پیسنے والی۔ وہ بیگم نے اندر رکھ دی ہے۔ نصرت بی بی کے جہیز کے لیے۔"

اسلم گھبرا کر اٹھا "مگر بوا! ناہید کو کیا ضرورت ہے۔ کھانا تو آپ پکاتی ہیں۔"

"بیگم صاحب نے کہا ہے ناہید میاں۔ اصل میں ان کے ہاتھ میں بہت لذت ہے۔ جیسے تیسے میں پکا ہی تھی۔ مگر جب سے ناہید بی بی آئی ہیں وہی پکاتی ہیں۔"

وہ کہہ نہ سکا کہ اماں تو کہتی ہیں' وہ سوئی بھی نہیں پکڑتی۔

"مگر کس وقت پکاتی ہیں؟ ہر وقت تو کمرے میں رہتی ہیں۔" وہ حیرت کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"صبح ناشتے کے ساتھ ہی سالن تیار کر لیتی ہیں کبھی زیادہ طبیعت خراب ہو تو میں منع کر دیتی ہوں میاں! آپ بی بی کو منع کر دیں۔ میں پکا لوں گی۔ وہ بیگم اور نصرت بی بی پڑوس میں گئی ہوئی ہیں۔ انہیں نہیں چلے گا۔"

یہ سنتے ہی اسلم کچن میں دوڑا گیا۔ ناہید قیمہ سل پر بیٹھی تھی اور پیاز کاٹ کاٹ کر رکھ رہی تھی۔

اسلم نے آبے بازو سے تھاما اور کھینچ کر کھڑا کر اس کے احتجاجی نعروں کو ان سنا کر کے کمرے میں لا بستر پر لٹا دیا۔ کمرہ بند کر کے پردے کھینچ دیے۔ لگا جالا اور ان دونوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ اماں تھیں نہ تھیں اور ان کا خوف بھی کہیں دور جا چکا کہیں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ کوئی دیوار نہ تھی۔ امن' چین اور سکون۔

♥ ♡ ♡ ♥

اگلے دن ہی اسلم کہیں گیا ہوا تھا۔ شام کو صحن میں بیٹھی تھی اور ساس سے پرانے قصے سن تھی۔ جب اسی گھر میں ناہید کے والدین بھی رہتے اور ناہید کی امی نے بھی اپنے میاں کو مٹھی میں کر تھا۔ اسی لیے بیگم کے حکم پر وہ لاہور چھوڑ کر ملتان گئے۔ وہیں گھر بنا لیا۔ چچی اماں اس واقعے کو گول گئیں جس کی وجہ سے ابا' چچا ابا کے مشورے پر چھوڑ گئے تھے۔

امی نے بھی کبھی دہرایا نہیں۔ ناہید اور پوچھنے پر اتنا ہی کہہ دیتی تھیں۔

"بس ایک واقعہ ایسا ہوا کہ ہمیں ملتان یہاں تمہارے ابو کو اچھی جاب بھی مل گئی۔

کچھ نہ کچھ کر لیتی تھی۔ ورنہ لاہور میں سسرال کے بیچ بیٹھ کر مزدوری ٹائپ کا کام ناممکن تھا۔ اپنے ہی نکتہ چینی کرتے۔ اتفاق سے اونے پونے میں یہ گھر مل گیا۔ قرض لے کر گھر خریدا۔ کمیٹیاں ڈال کر وہ ادا کیا۔"

امی نے واقعی بڑی ہمت' صبر و تحمل کی زندگی گزاری تھی۔ محنت مزدوری۔ کفایت اور دل پر جبر کر کے بچیوں کو تعلیم دلائی پھر خود بھی امتحان پاس کیے اور ٹیچنگ کا شعبہ اختیار کیا۔ ابا بے چارے کی اتنی آمدنی نہ تھی کہ گھر خریدا جاتا۔ امی کا سلائی اور کوشش شامل تھی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ اختر کنگھا کرتا ہوا اندر سے صحن میں آیا۔ کچھ دیر کھڑے ہو کر اماں کی باتیں سنیں پھر ناہید کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"چلو بھابھی! بھائی جان کی طرف چلتے ہیں۔ بھیا بھی وہیں ہیں۔ انہوں نے تمہیں بلایا ہے۔"

ناہید جور نظروں سے ساس کی طرف دیکھنے لگی۔

"اُ ٹھو بھی۔ کبھی کبھی منہ کا مزا بدل لینا چاہیے اور تبدیلیٔ آب ہوا بھی صحت کے لیے ضروری ہے۔"

"نہیں۔ میں آتی ہوں ابھی۔" وہ ہچکچانے لگی۔ ساس گھور رہی تھیں۔

"اُ ففو! یہ پچاس سال پرانے قصے سننا قطعاً" ضروری نہیں جن کی تصدیق کرنے والے بھی اب موجود نہیں۔ اس سے بہتر ہے کہ ہم بھائی جان اور بھابھی کی نوک جھونک سے لطف اندوز ہوں۔ اٹھو بھی' بلایا ہے انہوں نے۔" اختر نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"اچھا تو ہاتھ کیوں کھینچ رہے ہو۔ اسلم خود ہی لے جاتا۔ تم کو زیادہ ہمدردی ہے۔"

"بھابھی! اماں کی عادت یونہی اعتراض کرنے کی ہے۔ اس کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ چلو شاباش! کھڑی ہو جاؤ۔" اس نے پھر ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

اماں بگڑنے لگیں۔ "ہاں ہاں' اماں پاگل جو ہیں اور تو جو ہاتھ پکڑے کھڑا ہے۔ اس کا کوئی مطلب ہے کہ نہیں۔ دیکھ لے اسلم تو۔"

"تو؟ گولی مار دے مجھے۔" وہ بھی اسی ماں کا بیٹا تھا۔

ان ہی کے بلانے پر آیا ہوں۔ اٹھو جی' وہ خفا ہوں گے پھر کہ تم سے اتنا سا کام نہ ہو سکا۔ بھابھی آئس کریم لیے بیٹھی ہیں۔ پگھل جائے گی۔"

ناہید جانا نہیں چاہتی تھی۔ مگر اختر نے ہاتھ چھوڑا ہی نہیں۔ مجبوراً اٹھی۔ اماں کی بڑبڑاہٹ' نصرت کی شعلہ اگلتی آنکھیں اختر کو کسی کی پروا نہیں تھی۔

سلطانہ آپا اور سرور بھائی اپنے چھوٹے سے لان میں بیٹھے تھے۔ اسلم کے سامنے چائے کی پیالی تھی۔ سلطانہ آپا نے آگے بڑھ کر ناہید کو لپٹا لیا۔ طبیعت کا پوچھنے لگیں۔

"طبیعت بہلانے کے لیے ہی تو بہانے سے لایا ہوں۔" اختر نے مطلع کیا۔ میں نے کہا بھابھی آئس کریم منگا چکی ہیں۔ تب انھیں' اماں ناراض ہو رہی تھیں۔"

"اماں کیوں ناراض ہو رہی تھیں؟" سرور نے پوچھا۔

"وہ وہی پچیس برس پرانے قصے مزید اضافے کے ساتھ سنا رہی تھیں جب چچا جان ہمارے ساتھ رہتے تھے اور چچی جان کی مٹھی میں تھے۔ اماں کے بجائے چچی کے حکم پر چلتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ اتنا بور موضوع تھا کہ برداشت نہ ہو سکا مجھ سے۔ بھابھی بے چاری چپ چاپ اپنی امی کی برائی سن رہی تھیں۔ میں نے انہیں مشکل سے نکالا۔ اماں کو برداشت نہ ہوا۔ کہہ رہی تھیں۔ تمہیں کیوں ہمدردی ہے۔ بھئی ہمدرد تو ہم ہیں اپنی بھابھیوں کے۔ کیوں بھائی جان۔"

"ہاں یہ لقب تمہیں سلطانہ کی حمایت کے بعد ملا تھا۔ اچھا تو ہے۔ کوئی تو ہمدرد ہو۔"

"بھابھی! آئس کریم منگا رہی ہیں آپ؟ یا مجھ غریب اسٹوڈنٹ کا کباڑا کروائیں گی۔"

سرور نے کہا۔ "یار! اپنی غربت کا اتنا ڈھنڈورا نہ پیٹا کرو۔ آئس کریم فریزر میں ہے۔"

"واہ زندہ باد پھر تو آج میں جو مانگتا' وہ مجھے ملتا کاش۔"

"کاش کوئی حور' پری مانگی ہوتی۔ کیوں؟" سلطانہ نے ہنس کر کہا۔

"آپ کے منہ میں گھی شکر۔ بلکہ آئس کریم۔"
سب باتیں کر رہے تھے۔ ہنس رہے تھے اسلم خاموش تھا۔ ناہید ڈر رہی تھی کہ اس کا اختر کی بات کا یقین کر کے آجانا اسلم کو پسند نہ آیا ہو گا اور وہی ہوا۔ اختر کا تو اٹھنے کا ارادہ نہ تھا۔ اسلم کھڑا ہو گیا۔ ناہید بھی کھڑی ہو گئی تو اختر نے روکا۔
"بھابھی! تمہیں کیا کام ہے۔ رکو میرے ساتھ چلنا۔"
لیکن وہ اسلم کے ساتھ چل پڑی۔ اسلم نے کہا بھی نہیں کہ تم رک جاؤ بعد میں آجانا۔ سلطانہ بھی چپ رہیں۔ وہی ہوا۔ اپنے صحن میں داخل ہوتے وقت اسلم نے سنجیدگی سے کہا۔
"اماں کو ناراض کر کے آنا ضروری نہ تھا۔"
وہ چپ چاپ کمرے میں چلی گئی۔
کھانے کے وقت بھوک ہو نہ ہو۔ وہ اسلم کی تاکید پر کھا لیتی تھی۔
نصرت نے کھانا کھاتے ہوئے اسلم سے شکوہ کیا کہ وہ یا تو بڑی بھابھی کی طرف رہتا ہے یا چھوٹی بھابھی کے ساتھ 'ہمارا جی چاہتا ہے اپنے بھیا سے خوب باتیں کریں۔ یہ بھی اضافہ کیا کہ ہم دونوں جگہوں پر نہیں جا سکتے۔"
"کیوں نہیں جا سکتیں؟" اسلم نے تیوری چڑھالی۔
"بھائی جان کو اپنے گھر میرا جانا پسند نہیں اور آپ کے کمرے میں بھابھی کو۔"
ناہید گڑبڑا کر رہ گئی۔
"کس نے منع کیا ہے تمہیں؟" اسلم نے کہا۔
"منع کرنے کی تو کسی میں جرات نہیں ہے۔" نصرت تخریبہ انداز میں بولی۔ "مگر بھابھی کو میری موجودگی پسند نہیں ہے۔ اس لیے بھیا اپنی عزت اپنے ہاتھ۔"
"میں۔ میں نے تو کبھی کچھ نہیں کہا۔" ناہید سہم گئی۔ یہ نیا شوشہ چھوڑا تھا۔
"کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ ہم نظریں پہچانتے ہیں۔" نصرت رنجیدہ ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔
اس کی کوشش کامیاب ہوئی۔ اسلم ناگواری ظاہر کر رہا تھا۔ تیوری پر بل۔ کھانے سے زیادہ ہونٹ چبا رہا تھا۔
"یا اللہ۔" اختر نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعائیہ انداز میں کہا "نصرت کی جلد سے جلد شادی ہو اور گھر فتنہ فساد سے محفوظ ہو۔"
"ہم تو بس یہ چاہتے ہیں بھیا۔" اماں لقمہ چباتے ہوئے بولیں۔ "کہ سب مل جل کر رہیں۔ خوش خرم' مثالی خاندان کی طرح۔ مگر ناہید کو کسی کی شرکت گوارا نہیں۔ ایک نند کا ساتھ پسند نہیں۔ ہم تو نصیحت ہی کر سکتے ہیں۔ چلو' جس طرح یہ خوش رہیں۔ ہم بھی خوش ہیں۔ ان کی امی کی تعلیم بھی یہی ہے۔ وہ خود بھی سسرال میں جم کر نہیں رہیں۔ جوں ہی موقع ملا ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر دور ہو گئیں۔ بیٹیوں کو یہی سب سکھایا ہے۔ اسی لیے میں ڈر رہی تھی۔ بڑی بہو بھی اسی خاندان کی آگئیں۔ دیکھ لو کیا ہوا؟ لوگ تو ساس کو الزام دیتے ہیں۔ کوئی یہ نہیں سوچتا کہ کس ارمان اور محبت سے بیٹے کا گھر بساتی ہیں مائیں۔ مگر پھر یہی ماں بہنیں آنکھوں میں کھٹکتی ہیں۔ ہمارا تو کوئی ارمان ہی پورا نہ ہوا۔"
اماں ٹھنڈا سانس لے کر پھر کھانے میں لگ گئیں۔ ناہید سے لقمہ چبایا بھی نہیں جا رہا تھا۔ امڈتے آنسوؤں کو پینے کی کوشش میں بے حال ہو رہی تھی۔
"یا اللہ میری دعائیں سن لے۔" اختر نے منہ اٹھا کر کہا۔ "کوئی ماں اپنے بیٹے کا گھر بسانے کے لیے نصرت کو بیاہ لے جائے آمین۔ یہاں امن وہاں فساد کا دور۔"
ناہید گم صم نظریں پلیٹ پر گاڑے بیٹھی تھی۔ اماں کو اختر کی بکواس کی پروا نہ تھی۔ نصرت نے طنز سے ناہید کو دیکھ کر کہا۔
"کھانا کھاؤ ناہید! اماں نے کوئی تیر تو نہیں مارا۔"
"میری تو ذرا سی بات بھی تلوار کی طرح لگتی ہے دونوں بہنوں کو۔"
اماں نے پلیٹ سے نظر اٹھائے بغیر اب سلطانہ کو بھی گھسیٹ لیا۔ ناہید سے اب ضبط نہ ہو سکا۔ وہ اٹھی

اور کمرے سے باہر جانے لگی۔ نصرت نے اس کا پیچھا کیا۔ پھر دروازے سے نکلتے ہوئے نہ جانے کیسے ان کی ٹکر ہو گئی۔ شاید نصرت اسے پکڑنا چاہ رہی تھی۔ پھر ایک دھماکہ اور ناہید زمین پر پڑی تھی۔ اس کے منہ سے چیخ بھی نکلی تھی۔ نصرت کہہ رہی تھی۔
"ہائے اللہ! گر گئیں۔"
اسلم اضطراری طور پر اٹھنے لگا تو اماں نے اس کی آستین پکڑ لی اور سرد لہجے میں بولیں۔
"تم کھاؤ کھانا۔ یہ ڈرامے تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ تمہارے سامنے اور بھی ہوں گے' پھر کبھی دیکھ لینا۔"
اختر نے تاسف بھری نظر ماں پر ڈالی۔
"بھیا! اب اٹھا دیں۔ شاید چوٹ زیادہ۔" اختر' ناہید کا پھیکا پڑتا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ مگر اسلم تو اماں کی نظر میں سرخرو ہونا چاہتا تھا۔ یونہی بیٹھا رہا۔
ناہید خود کو سنبھال کر اٹھی اور لڑکھڑاتی ہوئی برآمدے میں نکل آئی نصرت واپس آ کر کھانے میں جت گئی۔
"کھانا کھائے بغیر جا رہی تھیں۔ میں انہیں روکنے کو بڑھی تو مجھے دھکا دے دیا اور خود گر گئیں۔ توبہ بڑا غصہ ہے بھئی۔"
"غصہ نہ ہو گا۔ پھر کس ماں کی بیٹی ہے۔" اماں نے بیٹے کو اکسایا۔
"مگر اماں! آپ کی یہ عادت بہت خراب ہے۔" نصرت بولی۔ "ہر موقع پر نصیحت۔ معلوم بھی ہے کہ سچی بات کڑوی لگتی ہے۔" کن انکھیوں سے بھائی کو دیکھا۔
"الٰہی! میری دعا قبول فرمالے۔ ہم سب کو نصرت کے شر سے بچالے۔" اختر اب کھڑا ہو گیا۔
"اے لڑکی! ہوش کی دوا کر۔" اماں اختر پر دھیان دیے بغیر نصرت پر بگڑنے لگیں۔
"اب میں اپنے بچوں سے بات کرنے کے لیے بہوؤں کی اجازت لوں گی۔ کیا کہہ دیا میں نے انہیں۔ میری آواز پسند نہیں تو کانوں میں روئی ٹھونس کر آیا کریں اور نصیحت تو غیروں کو بھی کر لی جاتی ہے مگر پھر اسلم کے سامنے اپنی مظلومی کیسے ظاہر کریں۔ سچی بات ہے۔ ہمیں یہ سب نہیں آتا۔ ہم سیدھے لوگ ہیں۔"
اختر نے ہنس کر کہا۔ "بالکل۔" اور باہر نکل گیا۔ بوا اندر آئیں اور اماں سے سرگوشی میں کچھ کہنے لگیں۔
نصرت نے کہا۔ "کیا بات ہے اماں؟"
"بات کیا۔ بوا پیغام لائی ہیں۔ جاؤ اسلم! تمہاری بیوی کے چوٹ آگئی ہے۔ جاؤ سہلاؤ جا کر' ہاں بھئی' زخموں کا مرہم تمہارے پاس ہی ہے۔ ہم تو زخم دینے والے ٹھہرے۔ توبہ ہے کھانا کھانا دوبھر ہو گیا۔"
اسلم کشمکش میں تھا۔ غصہ بھی آرہا تھا۔ کھڑے ہو کر سنجیدگی سے بولا۔
"آپ کے خیال میں سب کچھ میری وجہ سے ہو رہا ہے۔ تو میں ہی چلا جاتا ہوں۔"
وہ باہر نکل کر برآمدے میں ٹہلنے لگا۔ سمجھ نہیں سکا کہ بیوی کی دلداری کرے۔ یا اماں کی باتوں کا یقین۔ بوا لپکی آئیں۔ "میاں ذرا۔"
"بھاڑ جاؤ۔" اسے سخت غصہ آرہا تھا۔
"میاں! دلہن کو دیکھ لیتے۔" بوا پریشان تھیں۔
"کچھ نہیں دیکھنا مجھے۔"
بوا سٹپٹائی ہوئی سی سرور کی طرف دوڑی گئیں۔ پھر سلطانہ تیزی سے آکر کمرے میں چلی گئیں۔ پانچ منٹ بعد ہی اشارے سے اسلم کو بلایا۔ وہ بادل نخواستہ آگے بڑھا۔
"اسلم! میں تو آنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر بوا کی خوشامد پر مجبور ہو گئی۔" سلطانہ نے اپنی صفائی دینی شروع کی۔ "لاکھ چاہتی ہوں کہ بھلا دوں ناہید سے کوئی رشتہ بھی ہے اور اس وقت بھی صرف انسانی ہمدردی کے تحت آئی ہوں۔ اپنے بھائی سے پوچھ لینا۔ میں نہیں آرہی تھی۔ اماں کی موجودگی میں میری رائے' مشورہ یا کسی بات میں دخل انتہائی نامناسب ہے۔ مگر اماں بوا کی بات نہیں مان رہیں۔ مجبوراً" مجھے آنا ہی پڑا۔ ناہید ٹھیک نہیں ہے۔ اندرونی چوٹ سے کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ زندگی چاہتے ہو تو فوراً" کسی لیڈی ڈاکٹر کو بلا لاؤ۔"

سلطانہ کے لہجے کی پریشانی نظر انداز کرنے والی نہ تھی۔

"خیریت بھابھی! کیا ہوا؟"

"کچھ ہوا ہے یا ہونے والا ہے۔ بس تم ڈاکٹر کو بلاؤ۔"

اسلم نے کمرے میں جا کر دیکھا۔ ناہید بستر پر نڈھال پڑی تھی۔ دانتوں سے ہونٹ چبا رہی تھی۔ شاید کوئی تکلیف۔

بھابھی نے اندر آ کر کہا۔ "اسلم! دیر نہ کرو سنو۔ سڑک کے راستے سے تو دور پڑے گا۔ چھت سے جاؤ گے تو پانچویں مکان کی چھت سے دائیں طرف والی چھت پر کود جانا۔ وہ شہناز کا گھر ہے۔ زینے سے منیر کو آواز دینا۔ ٹھہرو میں حال لکھ دوں۔" اس نے فوراً ایک ردی کاغذ پر جلدی جلدی گھسیٹا اور اسلم کو جلد جانے کی تاکید کی۔ اسی گھر میں پیدا ہوا۔ پلا بڑھا۔ مگر اسلم کو یہ خبر نہ تھی کہ چھت کے ذریعے شہناز کا گھر اتنا قریب ہو گا۔ جبکہ سڑک سے تو خاصا فاصلہ تھا۔

چھتوں پر دوڑتے ہوئے ناہید کی بند آنکھوں سے ڈھلکتے آنسو شدت کرب سے مرجھایا ہوا نیلی رگوں والا چہرہ آنکھوں سے دور ہی نہ ہو رہا تھا۔

باہر سے منیر پہلی آواز پر ہی کمرے سے نکلا وہ شاید اوپر کی منزل پر رہتا تھا اور شہناز کا بھائی تھا۔ "یا دیور۔ شہناز رقعہ دیکھ کر فوراً" اوپر آ گئی۔ یہ وہی ڈاکٹر تھی، جو کلینک میں بے حد مصروف۔ ٹائم دیئے بغیر کسی کو دیکھتی ہی نہ تھی اور اس کی فیس بھی خاصی تھی۔ مگر سلطانہ کی دوستی۔ محلے داری کا معاملہ پھر ناہید اس کی پیشنٹ تھی۔ چھتیں پھلانگتے ہوئے وہ سوال کرتی رہی۔

گھر پہنچ کر سلطانہ کے ساتھ کمرے میں جو غائب ہوئی تو دس منٹ سے زیادہ ہو گئے۔ وہ صحن میں ٹہلتا رہا، بے چینی، اضطراب اور فکر۔

بوا بار بار کمرے میں جاتی تھیں۔ آتی تھیں۔ پھر کچھ لے کر غڑاپ سے اندر۔ وہ کچھ پوچھ بھی نہ سکا۔ کچھ دیر پہلے بوا کو ڈانٹ کر بھگایا تھا۔

بوا نے اماں کے کمرے میں جا کر کچھ بتایا بھی تھا۔

ان کے آنے کے بعد نصرت کے واویلا کی توانا بھی کانوں میں آئی۔ نہ جانے کیا کہہ رہی تھی، اماں تسلی دے رہی تھیں۔ مگر اس کی توجہ تو صرف اپنے کمرے کی طرف تھی، پندرہ منٹ گزر گئے۔

اختر نے اسے یوں بے چین دیکھ کر کہا۔ "کیا بات ہے؟"

اس نے مختصر طور پر جو معلوم تھا۔ بتا دیا وہ بھی فکر مند ہو گیا۔

"اچھا۔ یوں کب تک ٹہلیں گے۔ اندر آ کر بیٹھیں۔"

مارے پریشانی کے وہ انکار بھی نہ کر سکا۔ پھر ڈاکٹر سلطانہ کے ساتھ باہر آئی تو وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اختر نے ڈاکٹر کا بیگ اٹھا لیا۔

"میں نے جتنی احتیاط بتائی تھی۔ اتنی ہی لاپروائی برتی گئی۔" وہ سخت خفا تھی۔ "اب بھی وقت ہے فوراً" ہاسپٹل لے کر جائیں۔ بچی بہت کمزور ہے۔ طاقت سے زیادہ دردِ برداشت کرتی رہی ہے۔ اسے امتحان میں نہ ڈالیں۔ ذرا سی لاپروائی بہت خراب نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ میں نے انجکشن لگا دیا ہے۔ کچھ سکون تو ہو گا مگر ضرورت ہے کہ فوری طور پر اسے ایڈمٹ کرائیں۔ فی الحال کوئی خطرہ نہیں۔ لیکن کب کیا ہو جائے۔ کہہ نہیں سکتی، بہتر ہے ابھی لے جائیں انتظار نہ کریں۔"

شہناز اختر کے ساتھ چلی گئی۔ سلطانہ نے پریشان آواز میں کہا۔

"اسلم! میں تو کچھ کہتے ہوئے ڈرتی ہوں۔ تم ہی اماں کو بتا دو۔ وہ بزرگ ہیں۔ تجربے کار ہیں۔ کوئی ٹوٹکا ہی بتا دیں۔ ڈاکٹر تو ہاسپٹل کو ہی نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔ مگر ہماری بزرگ خواتین کتنے ہی طریقے جانتی ہیں۔ یا پھر ان سے ہاسپٹل لے جانے کی اجازت لو۔"

اسلم ہونٹ چباتا رہا۔ اس اثناء میں بوا اندر جا کر اماں کو حال بتا چکی تھیں۔ اماں کے چیخنے کی آواز آ رہی تھی۔

"میرے پاس کیوں آئی ہو۔ میں ہوں لون ہوں۔ سب نے مجھے مردہ سمجھ لیا ہے۔ وہ آ تو گئی ہیں بڑی بہن

ہیں گی علاج۔ لو یہاں مشورے ہو چکے، بہن بلائی ہیں۔ ڈاکٹر آ کر چلی گئی۔ میرا اب کیا دخل۔ ہاں بھئی نر تو خدا ہے۔ جو کہہ رہی ہے وہی کرو۔ میں اس سے پوچھتی بات کرتی۔ مگر کسی کو میری ضرورت نہیں بہن جانیں، یا میاں، جو ہے وہ اپنی جگہ بقراط ہے اور کسی بہو میں بچاریاں بھی کیا کریں۔ بیٹے ہی طوطا چشم نکلے ہو نہہ ڈرامے ہو رہے ہیں، بہت دیکھے ہیں ایسے کھیل۔ ہم نے بال دھوپ میں سفید نہیں کیے۔ جاؤ کہہ دو۔ میں سب کے لیے مر گئی۔"

سلطانہ کا چہرہ فق ہو گیا۔ اسلم مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑا تھا۔ بوا منہ لٹکائے باہر آ گئیں۔

"دیکھا وہی ہوا۔ بوا نے جب بتایا کہ اماں یقین نہیں کر رہیں اور حال اس کا خراب ہے تو میں مجبوراً" آئی۔ اسلم! میرے بھائی! میرا کچھ بولنا یا کہنا مناسب نہیں۔ نہ ہی میں اماں کی اجازت کے بغیر اپنی ذمے داری پر کچھ کرنا چاہتی ہوں۔ پلیز دیر نہ کرو۔ تم تو اماں کو مناسکتے ہو۔ تمہاری اماں ہیں۔ بڑی ہیں۔ کوئی مشورہ تو دے سکتی ہیں، ایک بار آ کر دیکھ ہی لیں۔"

سلطانہ لجاجت سے بولی۔

اسلم سر جھکائے اماں کے کمرے میں مجرموں کی طرح پہنچا۔ اماں پان چبا رہی تھیں۔ نصرت رسالہ پڑھ رہی تھی۔ اس نے اماں کی بے مہری محسوس کی اور افسردہ ہو گیا۔ دبی زبان سے ناہید کی بگڑتی حالت ڈاکٹر کا خدشہ اور درخواست پیش کی کہ وہ آ کر ایک نظر دیکھ لیں۔ اماں نے منہ پھیر لیا۔

"اماں! آپ میری ماں ہیں۔ بزرگ ہیں۔ آپ کی اجازت اور مشورے کی ضرورت ہے، میں آپ کی رضا کے بغیر کوئی کام نہیں کروں گا۔"

"نہ مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ گھنٹے بھر سے مشورے ہو رہے ہیں۔ میرا نام لیا کسی نے؟ جو تم جو بہتر سمجھو کرو۔ بھاوج سے پوچھ لو اور ڈاکٹر بلوا لو۔"

"اماں! آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔ ایک بار دیکھ تو لیں۔ بوا نے آپ سے کہا تو تھا۔ آپ نے انکار کیا، تب بوا بھابھی کو بلا کر لائیں۔ یقین کریں۔"

"نہ مجھے یقین کی ضرورت ہی نہیں۔ نہ تمہارے معاملے میں دخل دینے کا حق۔"

اختر نے کمرے میں آ کر کہا "بحث ہی ہوتی رہے گی یا کوئی تدبیر بھی کی جائے گی۔ ایک زندگی خطرے میں ہے اور بے حسی کی کوئی حد ہی نہیں۔"

"ہاں، ہم تو بے حس ہیں۔ ایک تم ہو ایک تمہاری بھاوج۔ کافی نہیں کیا؟"

"اماں پلیز، میرا ہی خیال کر لیں۔ آپ کی اجازت کے بغیر تو کچھ نہیں ہو گا۔" اسلم رونے کو ہو رہا تھا۔

اختر نے اور سے کہا۔ "میں کہتا ہوں، تم کمرے میں بھی ہو سکتے ہو۔ ابھی تو بھابھی کی جان بچانے کی فکر کریں۔ اسلم بھیا! کیا ہو رہا ہے۔"

"وہی ہو رہا ہے، جس کا مجھے پہلے ہی یقین تھا۔" اماں چلائیں۔ "بیوی کے ہاتھ میں کٹھ پتلی۔ ارے جاؤ دیکھ لیے سارے وعدے اور قسمیں۔ تم سب ایک ہو۔ بیوی کے آتے ہی غلام بن جانے والے۔"

اسلم کھڑا ہو گیا اس کا رواں رواں فریاد تھا۔ جسم تپ گیا تھا۔ وہ اختر کو بولتا چھوڑ کر باہر آ گیا۔ کیا ہے یہ دنیا کسی کا اعتبار نہیں۔ سعادت مندی کی کوئی قدر نہیں۔ فرماں برداری کی قیمت نہیں۔ کیا جان دے کر یقین دلایا جاتا ہے۔ اتنی ناانصافی، زیادتی اس ماں کی جانب سے جس کے لیے اس نے دل پر جبر کیا۔ محبت کو پس پشت ڈالا۔ بیوی سے کیے وعدوں کی پروا نہ کی۔ خدا رسول کو گواہ بنا کر جسے لایا تھا۔ اس کی جان کی بھی پروا نہیں کی۔ اماں کیا چاہتی ہیں۔ بیوی کی خبر گیری نہ کرے۔ اختر خفا ہو رہا تھا اماں سلطانہ اور ناہید کے کچھ جوڑ کے قصے سنا رہی تھیں۔

اسلم کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا ہر چیز سے نفرت محسوس ہو رہی تھی دنیا اور دنیا کا کاروبار کتنا فضول، سطحی، نقصان کا سودا دکھائے اپنے دلی مقاصد، سچے جذبات، انصاف، انصاف کا ترازو ہی بے مصرف ہو تو پھر۔

سلطانہ شاید اپنے گھر چلی گئی تھی اسلم کمرے میں جا کر اپنا اٹیچی اٹھا لایا۔ چھٹی کے دو دن باقی تھے۔ مگر کس کے لیے آ رکے، جب کچھ کرنا ہی نہیں۔ اس نے ناہید کے چہرے کی طرف نگاہ بھی نہیں ڈالی اور

چپ چاپ باہر کا راستہ لیا۔

کتنے ارمانوں سے آیا تھا۔ سوچا تھا۔ اماں سے اجازت لے کر ناہید کو حیدر آباد لے جائے گا۔ ہفتہ دس دن ہو ٹکل میں رہا جا سکتا ہے۔ مگر ناہید کی طبیعت خراب اماں سے کچھ کہنے کی جرات نہ ہوئی اماں کو ناہید سے خفا پایا وہ چاہتی تھیں۔ اسلم بھی ان کا ہم آواز ہو مگر کس طرح۔

جہاں تک ممکن تھا۔ وہ ناہید سے دور رہتا۔ اماں کو خوش کرنے کے لیے ناہید کو تنہا چھوڑ دیتا۔ اماں کو پھر بھی اس پر شک۔ بے شک انہوں نے بھی ہر عورت کی طرح اولاد کو پرورش کیا تھا۔ خصوصاً" اسلم کے بہت ناز اٹھائے تھے۔ انہیں اولاد سے توقعات بھی ہوں گی۔ مگر اس کی حد کیا ہے۔ اماں کو سلطانہ بھابھی سے شکائتیں تھیں۔ ممکن ہے درست ہوں۔ سرور کے بدل جانے کا گلہ۔ یہ ناممکن نہیں لیکن اسلم نے تو ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ جب سرور نے الگ گھر کر لیا تو اماں کے دکھ میں اسلم ہی شریک تھا اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ سرور کی طرح بیوی کی خاطر الگ نہیں ہو گا۔

اماں کو دکھ پہنچانے کا تو تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پھر بھی اماں بد ظن رہیں۔ تو کیا سرور بھائی اور سلطانہ بھابھی سے بھی ایسی ہی شکایت تو نہ تھی۔ اسلم کی بھرپور کوشش اور ناہید کی خاموشی کے باوجود آخر کیوں انہیں شکایت ہوئی۔ نصرت کی کوشش رہی کہ وہ ناہید سے بد ظن ہو جائے۔ اسے رہنا ہی کتنا تھا۔ دس دن رہا۔ دو دن ابھی باقی تھے کہ چلا آیا۔ دس دنوں میں جو کچھ دیکھا تھا۔ کیا اس کی غیر موجودگی میں اس سے زیادہ نہ ہوتا ہو گا۔ مگر ناہید نے کبھی اشارہ تک نہ کیا تھا۔ وہ ضبط کرتی۔ کوشش کر کے آنسو روکتی رہی۔ اپنی ماں کے بارے میں ہتک آمیز باتیں سنتی رہی اور چپ رہی۔

اماں سمجھتی تھیں سلطانہ اور ناہید اسلم کے کان بھرتی ہیں۔ مگر ناہید تو خبر اتنی جرات کہاں سے لاتی۔ سلطانہ بھابھی نے کبھی اس موضوع کو چھیڑا ہی نہیں۔ سرور بھائی کی تائید تھی کہ وہ اماں کے گھر کی بارے میں کوئی بات نہیں کریں گی اور وہ اس کی پابند تھیں۔

وہ دس دنوں میں جو کچھ دیکھ کر گھٹن کا شکار ہو گیا تھا۔ اماں ناہید سے بیزار، نصرت ناہید سے نالاں۔ اسلم سے شکوے۔ اختر سے بیزاری، ناہید چپ سی ہوئی۔ یہ مثالی گھر تو نہ ہوا۔ کیا سرور بھائی بھی اسی کیفیت کا شکار ہو کر تو الگ نہیں ہو گئے تھے؟ شاید گھر کے سکون۔ کے لیے مگر یہ کوئی حل تو نہ ہوا۔

سرور بھائی تو ہمیشہ کے بے فکری لاابالی اسلم شروع سے ماں کا لاڈلا، اختر سے سب ہی خفا رہتے۔ وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتا۔ کسی کی ناراضگی کی پروا نہ کرنے کا قائل نہ تھا۔ پہلے سلطانہ کا حمایتی تھا۔ اب ناہید کا ہمدرد اور اماں کو یہ رویہ پسند نہ تھا۔ وہ اختر کی زبان سے عاجز تھیں اور اب کتنے دن تو ہو گئے۔ نہیں معلوم ناہید کس حال میں ہے۔ کسی نے اسے نہیں بتایا۔ اف وہ کس قدر زرد ہو رہی تھی جیسے جسم کا سارا خون نچڑ گیا ہو اور وہ اس کا شریک زندگی اسے اذیت میں چھوڑ کر آ گیا تھا۔

ان لوگوں نے بھی اسلم کو سزا دینے کی یہ ترکیب استعمال کی کہ اسے بے خبر رکھا۔ شاید شاید ناہید ٹھیک ہو، پھر کوئی کیا اطلاع دیتا۔ وہ خود کو مطمئن کرنا چاہتا تھا مگر دل ایک اضطراب کی کیفیت سے گزر رہا تھا۔ اب نہ اماں کی خفگی یاد تھی نہ سلطانہ بھابھی کا گریز، صرف ناہید کی فکر تھی اور اس وقت کو یاد کر کے خود کو کوستا رہا۔ آخر اختر کا خط آ ہی گیا۔

"بھابھی کی طبیعت زیادہ بگڑ گئی تھی۔ میں اپنی ذمے داری پر انہیں ہاسپٹل لے گیا۔ بڑی بھابھی کو بھی میں نے ساتھ لیا۔ وہ اماں کی خفگی سے پریشان تھیں۔ مگر ناہید بھابھی کی بگڑتی ہوئی حالت پر پریشان بھی تھیں۔ مگر انہیں جانا پڑا۔ ناہید بھابھی کے ساتھ کسی عورت کا ہونا ضروری تھا۔ مجبوری تھی۔"

بعد کے حالات میں اس نے لکھا تھا کہ اسلم کے خفا ہو کر جانے کا سارا الزام اماں نے بڑی بھابھی پر ڈال دیا۔ چھوٹی بھابھی بھی اس کی زد میں آئیں۔ اختر کی نافرمانی اور خود سری پر خوب کوسا گالیاں دیں۔ وغیرہ اور ہاسپٹل سے واپسی پر اماں نے ناہید کا گھر میں داخلہ بند کر دیا۔ اختر کو بھی گھر سے نکلنے کا آرڈر مل گیا۔

ہمدردی کی سزا میں۔ مجبوراً" اختر ناہید کو ملتان چھوڑ آیا۔ اب جب سے وہ آیا ہے اماں اس پر ریکیک الزام عائد کر رہی ہیں۔ اماں اپنی سب اولاد سے نالاں اور بیزار ہیں۔ صرف نصرت ان کے زخموں پر مرہم رکھ رہی ہے۔"

ملتان۔ ناہید ملتان میں تھی۔ اختر نے لکھا نہیں کہ کب۔ نہ جانے وہ اب کیسی ہے۔ اس بارے میں بھی اختر کا قلم خاموش تھا۔ صحت کے بارے میں ایک لفظ نہیں لکھا۔ اس کا مطلب ہے چچی جان کو بھی سب حال معلوم ہو گیا ہو گا۔ کیا سوچا ہو گا انہوں نے ان کی بیٹی کے ساتھ اس کے شوہر کے سلوک کے بارے میں۔ ساس کے سلوک اور ناہید کی خراب صحت مگر اپنی کوتاہی، ناہید کو اس عالم میں چھوڑ کر آنے کا جرم۔ جب اسے اسلم کی ضرورت تھی۔ سب درست اس کی تلافی بھی کر دوں۔

♥ ♡ ♡ ♥

پرانے زمانے کے گھر کی ڈیوڑھی میں قدم رکھتے ہی چچا جان یاد آ گئے۔ کس قدر محبت سے انہوں نے اپنے داماد کو بطور بھتیجے کے سہرا پہنایا تھا۔ نکاح کے وقت خدا کا شکر ادا کرتے کرتے آنکھیں بھر بھر آئیں۔ ان کی محبت شفقت کا کیا صلہ دیا اس نے ڈرتے ڈرتے داخل ہوا۔ خلاف توقع گھر والوں نے بہت گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔ چچی نے لپٹا کر ماتھا چوما، دعائیں دیں۔ شبنم بے حد خوش ہوئی۔

ناہید بے حد کمزور تھی۔ آنکھوں کی چمک ہی ختم ہو گئی تھی۔

شبنم نے بتایا کہ "آپی ہر وقت روتی رہتی ہیں۔ انہیں اپنا سامان چوری ہونے کا بہت دکھ ہے۔ نہ جانے کیا کیا لے کر آئی تھیں۔ کہ غم منائے جا رہی ہیں۔

چچی جان نے ناہید کے سفر کی داستان سنائی۔ "دیور" بھاوج دونوں سوتے رہے۔ چور ان کا سب سامان لے کر چلتا بنا۔ شکر ہے کہ پرس بچ گیا۔" وہ سمجھ گیا یہ اختر کے ذہن دماغ کی اختراع تھی۔

"میں کہتی ہوں بیٹا! اتنی زیادہ طبیعت خراب۔ مردے جیسی حالت میں سامنے آ کر کھڑی ہوئی تو میں پہچانی ہی نہیں۔ بھلا اس حال میں سفر مناسب تھا مگر آج کل کی لڑکیوں کے جو دل میں آئے کر گزرتی ہیں۔ بھابھی جان نے اجازت ہی کیوں دی۔ ہر گز نہ دی ہو گی مگر اس لڑکی نے رو رو کر یہ حال کر لیا تھا۔ تو وہ بھی کیا کرتیں۔ ارے بابا! حالت سنبھل جاتی۔ کچھ خون جسم میں بن جاتا۔ تو سہولت سے آتی۔ مجھے پتا ہوتا تو دو دن کو میں جا سکتی تھی۔"

چچی جان مسلسل ناہید کو مورد الزام ٹھہرا رہی تھیں۔ ان کی تقریر سے یہ پتا چل گیا کہ جب وہ آئی ہے۔ بچہ ضائع ہوئے کئی دن ہو گئے تھے۔

"ارے بھئی، پہلی بار میں کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ تجربہ ہوتا نہیں۔ سمجھانے کا اثر نہیں ہوتا۔ خود کو عقلمند جو سمجھتی ہیں لڑکیاں۔ کودی پھاندی ہوں گی۔ کر بیٹھیں اپنا نقصان، اس پر اتنا سوگ کہ نہ کھانی پیتی ہیں نہ پہننا اوڑھنا یاد۔ آنسو بہائے جا رہی ہیں۔ تم ہی سمجھاؤ بیٹا۔ اللہ کو یہی منظور تھا اور دے دے گا۔ ابھی عمر پڑی ہے۔"

چچی جان کی تقریر دل پذیر کے دوران اسلم بھی سر جھکائے بیٹھا تھا۔ قصور وار وہ بھی تو تھا۔ اگر جلد سے جلد ہاسپٹل لے جایا جاتا۔ ڈاکٹر نے کہا تھا۔ فوری ٹریٹمنٹ سے خطرہ ٹل سکتا ہے۔ مگر وہاں تو سب بحث میں مبتلا تھے۔ اختر زبردستی نہ کرتا تو شاید ناہید بھی۔

رات کو ناہید کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ کتنے آنسو تھے اس کی آنکھوں میں اور کیسا کرب تھا اس کے چہرے پر ایک ہی نہیں کئی دکھ چھپائے بیٹھی تھی۔ ساس کی ناراضگی، اسے گھر میں داخل ہونے سے روکنا۔ شرمناک الزام۔ پھر ماں سے چھپانا اور اس کیفیت میں وہ کیسی اذیت سے گزر رہی تھی۔ لاکھ دیکھ بھال کے باوجود اس کی حالت سنبھل نہیں رہی تھی۔

گھر آتے ہی چچی جان نے اسے ڈاکٹر کو دکھایا تھا۔ تین دن کلینک میں زیر علاج رہی۔ اسے اسلم کی ناراضگی کا بھی شدت سے احساس تھا۔ جو اسلم نے زائل کر دیا۔ اسلم کے بازو پر سر رکھے آدھی رات تک آنسو بہاتی رہی۔ پھر بھڑاس نکلنے کے بعد اسلم کی

یقین دہانی پر نیند کی دیوی مہربان ہوئی۔ کتنے دن بعد وہ بے خبر سوئی۔

اگلے دن اسلم ناشتہ کر چکا تھا اور شبنم اس سے گپ شپ کر رہی تھی۔ چچی جان اسکول چلی گئی تھیں۔ ناہید کی آنکھ کھلی۔ تو حیرت سے گھڑی دیکھی۔ یقین نہیں آیا۔ کتنے دن بعد وہ گہری نیند سوئی تھی۔ ملتان آ کر تو اور بھی بے چین ہو گئی تھی۔

امی کو کچھ پتا نہ چل جائے۔ اب سسرال میں داخلہ ممکن بھی ہو گا؟ کیا عزت رہ جائے گی اس کی۔ چچی اماں تو کوئی ذرا سی کوتاہی بھی چھپانے کی عادی نہ تھیں۔ لاہور میں تو پورا خاندان ہے۔ سسرال تو اب بنا ہے۔ دو ہیال تو شروع سے ہے مگر ابا کے ملتان آنے کے بعد راہ و رسم کم ہو گئی تھی۔ لوگ تو چچی اماں پر اعتبار کریں گے۔ اس کی عادات سے کب واقف ہیں۔

گھر میں لوگ آتے بھی تھے تو چچی اماں تو اسے بلا لیتی تھیں مگر نصرت ٹال جاتی 'وہ سو رہی ہیں۔ یا نہا رہی ہیں۔ ارے وہ ہمارے پاس کب آ کر بیٹھنا پسند کرتی ہیں۔ اکثر تو اسے کبھی نہ کبھی علم ہو جاتا تھا۔ لیکن کئی بار لوگ اسے ہی آدم بیزار مغرور وغیرہ سمجھ لیتے۔

"مجھے جگایا کیوں نہیں تم نے۔" وہ شبنم پر خفا ہونے لگی۔

"ابی! نیند بہت پیاری چیز ہے اور اتنے دن بعد تو تم سوئی تھیں۔ اسلم بھائی نے کہا سو لینے دو۔ گہری نیند بھی صحت کے لیے ضروری ہے اور جناب 'ہمیں تو اپنی اپنی کی صحت بہت عزیز ہے۔ ناشتہ لاتی ہوں میں۔"

وہ بہت فرض شناس لڑکی تھی۔ ناہید اسلم کی دلجوئی اور اس کی اچانک آمد سے بہت خوش تھی۔

شبنم کہتی۔ "اسلم بھائی! کیا جادو کیا ہے آپ نے۔ ہم تو ابی کی ہنسی کیا مسکراہٹ کو ترس گئے تھے۔ اب تو یہ ہنستی بھی ہیں۔ مذاق کر لیتی ہیں۔ آپ کچھ دن تو اور رہیں گے ناں۔ یہ اپنی جان شان بنا لیں۔ آپ کے پاس ہے ان کی صحت کا راز۔"

زیادہ رکنا اسلم کے لیے ممکن نہ تھا۔ وہ اگلے مہینے آنے کا وعدہ کر کے حیدر آباد واپس آ گیا۔

♥ ♡ ♡ ♥

اختر کا مختصر خط آیا تھا وہ اماں کے ہر وقت برا بھلا کہنے اور چیخ پکار سے تنگ آ کر اپنے دوستوں کے ساتھ پڑھائی کی خاطر ہاسٹل میں رہ رہا ہے۔ امتحان تک وہیں رہے گا۔ بھائی جان سے کہہ دیا ہے۔ وہ ابا اور گھر کا خیال رکھیں گے۔

اختر کو سب کا خیال تھا۔ اماں کی خفگی کے باوجود ان سے غافل نہ تھا۔

دوسرا خط ماں کا تھا۔ تحریر نصرت کی تھی۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد لکھا تھا کہ تمہیں مطلع کیا جاتا ہے کہ میری مرضی اور اجازت کے بغیر ناہید 'اختر کے ساتھ کہیں چلی گئی ہے۔ کچھ پتا نہیں کہ یہ لوگ کہاں رہ رہے ہیں۔ یہ بے غیرتی کا مظاہرہ ناک کٹنے کا موجب ہے۔ اسلم کو بہت جلد اس کا سدباب کرنا ہے۔ ورنہ میں قطع تعلق کر لوں گی۔ نصرت کا رشتہ آیا ہے اور وہ لوگ شادی کی جلدی کر رہے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ نصرت کی بات طے ہونے کے وقت اور شادی میں بھی تینوں بھائی لازمی شریک ہوں۔ مگر میں ناہید کی شرکت گوارا نہیں کروں گی۔ اس نے خاندان کی بیٹی۔ یا بہو ہونے کی کوئی پروا نہ کرتے ہوئے خاندان میں ہمیں منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑا۔ اس نے عزت دو کوڑی کی کر دی۔ بے حیائی اور ڈھٹائی اختیار کرتے ہوئے نہ جانے کہاں چلی گئی۔"

خط تھا کہ بم کا گولہ۔ اسلم اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ اگر وہ خود ملتان جا کر مل نہ آیا ہوتا۔ تو اس خط کے حرف حرف پر یقین کر لیتا۔ یا اختر نے اسے فوری طور پر آگاہ نہ کر دیا ہوتا۔ اسلم ایک گہرے دکھ میں مبتلا تھا۔ اماں آخر چاہتی کیا ہیں۔ یہ کیسی سازش وہ اسلم کی زندگی کے ساتھ کر رہی ہیں اور کیوں؟ اس نے ان کی خاطر بھائی بھاوج سے لڑائی کی۔ ناہید سے زیادتیاں کیں کہ کسی طرح اماں کو خوش کر لے پھر بھی وہ خوش نہیں ہوئیں۔ بلکہ وہ اپنے لاڈلے بیٹے کی زندگی کو دکھ اور بے رحمی کے سمندر میں دھکیل رہی ہیں۔ انہیں کتنا پیار تھا اس سے۔

وہ کس قدر مغرور تھا کہ سب اولاد میں وہی اماں کا

سب سے زیادہ دلارا بیٹا ہے۔ اس بیٹے کو فرماں بردار اور سعادت مند اولاد کو کیسی سزا دی جا رہی ہے۔

وہ اس رات بے آواز آنسو بہاتا رہا۔ اب کیا کرے؟ کاش اماں نے محسوس کیا ہوتا۔ ناہید اسے کتنی عزیز ہے۔ اس کا خاموش انداز' محتاط رویہ' صبر اور تحمل انہیں اور کیسی بہو چاہیے تھی۔ انہوں نے دیکھا تھا۔ شادی کے چند دن گزار کر پھر وہ ساڑھے تین ماہ بعد وہاں گیا تھا اور گو کہ ناہید سے ملنا اسے دیکھنا' اس سے باتوں کا میٹھی زبان اور شیریں ادائوں کو اپنی شوخی سے مزید اکسانا کتنا پسند تھا۔ مگر اماں کا رویہ دیکھ کر وہ اپنی من پسند محبوبہ سے بھی کتنا دور ہو گیا تھا۔

ناہید کے ساتھ تنہائی میں محبت کے راگ الاپنے کا ارمان کہیں دور جا سویا تھا۔ بس اماں کو خوش کرنے کی کوشش میں لگا رہا۔ نتیجہ؟

کاش اماں ناہید کو اپنی محبت اور شفقت سے اپناتیں۔ وہ اس قدر سیدھی' معصوم اور کچھ ڈری ہوئی سی رہتی تھی۔ شاید اماں کی طنزیہ باتوں نے ڈرایا تھا اسے۔ یا نصرت کا تحقیر آمیز سلوک۔ نصرت ہی اکثر ناہید کے خلاف اماں کو اور اسلم کو بھڑکاتی تھی۔ کیوں؟

ناہید نے اس معاملے میں کبھی لب کشائی نہیں کی۔ اماں کہتی تھیں وہ سوئی بھی نہیں پکڑتی۔ بوا کہتی تھیں' وہ ناشتے کے بعد کھانا تیار کرتی تھی۔ خود اسلم نے اسے جھاڑو پونچھ کرتے دیکھا۔ یعنی موقعہ ملتے ہی وہ کچھ نہ کچھ کرتی تھی۔ تو پھر اس پر الزام' الزام کیا' اب تو بہتان بھی اف! سوچ سوچ کر دماغ سن ہو گیا تھا

اس خط کا کوئی جواب تیار نہ کر سکا۔ ناہید کی حمایت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اماں کی بات بکواس کرنا بھی اپنی شامت کو بلانا تھا۔ انہیں سچ کا راستہ دکھانے کی ایسی میں جرات کہاں تھی اب بھی اس کی یہی خواہش تھی۔ اماں اس کے جذبے کا یقین کر لیں' وہ ماں اور بیوی کے درمیان کے فاصلے مٹانا چاہتا ہے۔ دونوں کو خوش رکھنا فرض سمجھتا ہے۔ مگر اماں سے بات کرنے کی ہمت کہاں سے لاتا۔ بے چاری ناہید' چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پس رہی تھی اور وہ اس کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

گھر میں اماں اور نصرت ناہید سے تحقیر سے پیش آتیں۔ وہ چپ رہتی۔ نصرت نے تیوری پر بل لائے بغیر کبھی ناہید سے بات نہیں کی تھی۔ حالانکہ جب بھی اس نے ناہید کے لیے کچھ لیا۔ ویسا ہی نصرت کے لیے خریدا۔ وہ گھر میں رہنا چاہتا تھا۔ چند دن کی چھٹیاں ناہید کے ساتھ گزارنا چاہتا تھا۔

اس کی پاکیزہ ہنسی اور میٹھی باتوں سے لطف اندوز ہونے کا ارمان اس وقت خاک میں مل جاتا جب نصرت اس سے کوئی فرمائش کر بیٹھتی۔

"بھیا! مجھے فلاں جگہ جانا ہے۔ شاپنگ کرنی ہے۔ اختر بھائی تو میری بات سنتے ہی نہیں۔ بھیا! آئیں بیڈ منٹن کھیلے کتنے دن ہو گئے۔ چلیں ذرا ٹہل کر آتے ہیں وغیرہ۔"

اور وہ اس کی خوشنودی کے لیے ناہید کو انتظار کرتا چھوڑ کر بہن کے ساتھ چل پڑتا اور دن یونہی گزر جاتے۔ رات میں بھی بارہ بجے سے پہلے اپنے کمرے میں جانے کا موقعہ نہ ملتا۔ مجرمانہ خاموشی سے وہ اندر آتا۔ تو ناہید بے سدھ سوئی ہوئی ملتی۔ کیسی چھٹیاں گزریں؟

پھر اس روز جب سب کچھ چھوڑ چھاڑ وہ حیدر آباد روانہ ہو گیا۔ نہ جانے ناہید پر کیا گزری ہو گی اسلم کی روانگی کا سن کر اور اسے یوں بے آسرا چھوڑ کر آنے کا دکھ وہ کیا کبھی فراموش کر سکے گا؟ بھابھی بہن تھیں۔ مگر ساس کے حکم کے بغیر کچھ کرنے کا حوصلہ ان میں نہ تھا۔ حوصلہ تو صرف اختر میں ہے۔

کیا یہی واقعات سرور بھائی کے ساتھ پیش نہ آئے ہوں گے۔ پھر بھی انہوں نے کسی سے کچھ کہے بغیر گھر الگ کر لیا۔ سلطانہ بھابھی کو اماں نے اپنے گھر میں داخل ہونے سے منع کر دیا۔ سرور بھائی نے بھی تاکید کی کہ سلطانہ اس گھر کے معاملے میں دخل نہیں دے گی۔ اسی لیے اس رات وہ ناہید کی ابتر حالت کے باوجود۔ اپنا حق استعمال نہ کر سکیں۔ اگر اختر نہ ہوتا۔ ناہید بھی اپنے بچے کے پاس جا چکی ہوتی۔ وہ پھر بھی کوئی شکایت نہیں کرتی۔ ایک لفظ نہیں کہا۔ کیا

نصرت نے اسے جان بوجھ کر دھکا دیا تھا یہ سوال بھی اہم تھا بوا نے بتایا ڈاکٹر کہتی ہے یہ معمولی گرنے کی چوٹ نہیں ہے۔ بے ڈھب گرنے کی وجہ سے سنبھل نہ سکنے کے سبب یا کسی حادثے کے سبب ایسی چوٹ آئی۔

♥ ♡ ♡ ♥

اگلے دن دفتر جانے کو جی نہیں چاہا۔ رات کو جاگنے اور آنسو بہانے کی وجہ سے سر میں درد تھا۔ مگر کام بہت تھا۔ جانا پڑا اور پھر اسے خیال آیا۔ ناہید تو مہینہ بھر تک روتی رہی۔ راتیں آنسوؤں سے تکیہ بھگوتے گزاری تھیں اس نے۔ اس کے سر میں بھی درد ہوتا ہو گا۔ ہر وقت رونے سے زیادہ ہی درد ہوتا ہو گا۔ تب ہی اس کی صحت بحال ہونے میں اتنا وقت لگا۔ او میرے خدا۔ عورتیں کس قدر تکلیفیں آسانی سے برداشت کر لیتی ہیں۔ اور ناہید میں شاید صبر و برداشت زیادہ ہی ہے۔

اتفاق تھا کہ اس روز نزہت کا فون آیا۔

"کہاں تھے تم۔ روز فون کر رہی تھی ملتے ہی نہیں۔ دراصل مبارک باد دینا تھی۔ اللہ کے فضل سے والد ماجد بننے والے ہیں جناب۔"

وہ چپ کا چپ رہ گیا۔

"کیوں بھیا! مبارک باد کا جواب نہیں ہے تمہارے پاس۔"

"کیا جواب ہو۔ جب وہ بات ہی ختم ہو چلی۔" دل بھر آیا۔ زبان لڑکھڑا گئی۔

"خیریت۔ کیوں بھیا۔" وہ بھی گھبرا گئی۔ "دراصل میں تو سعودی عرب گئی ہوئی تھی۔ کافی دن بعد آئی ہوں پرسوں۔ بڑی بھابھی کا خط آیا رکھا تھا۔ انہوں نے خوش خبری دی تھی۔"

"خوش خبری باقی نہیں رہی۔"

"ارے اوہو! مگر کیسے بھیا کیا ہوا تھا۔"

اسلم کو ایک رازدار کی ضرورت تھی۔ اس نے نزہت کو دبے الفاظ میں اماں اور نصرت کی ناہید سے رنجش۔ اپنا وہاں جانا۔ پھر نصرت کے دھکے سے ناہید کا گرنا سب کہہ دیا۔ اپنا منہ چھپا کر بھاگ آنا۔ پھر اختر کے ساتھ ناہید کا ملتان آنا۔

"میں ابھی پرسوں ہی تو ملتان سے چلا تھا۔ ناہید بہت کمزور اور بیمار ہے نزہت! اسے بچے کا اتنا دکھ نہیں۔ جتنا اماں کی بے التفاتی کا۔"

"بچے کا کیوں نہیں ہو گا بھیا! وہ تو بہت بڑا صدمہ ہوتا ہے عورت کے لیے۔ تمہیں بتایا نہ ہو گا۔ ناہید بہت صابر لڑکی ہے۔ اماں کے رویے کے بارے میں کیا کہوں۔ وہ نصرت کے سوا کسی پر اعتبار نہیں کرتیں۔ خیر شکر ہے ناہید کی جان بچ گئی بعض دفعہ تو یہ حادثہ لڑکی کی جان لے لیتا ہے۔ میں ابھی ملتان فون کرتی ہوں۔ ہاں بھیا! تم کوشش کر کے ایک بار پھر ملتان جانا اچھا۔ ناہید کو تمہاری دلجوئی اور قربت کی اشد ضرورت ہے۔ برداشت کرنے سے اس کی صحت مزید خراب ہونے کا خطرہ ہے' اسے تسلی دو۔ اعتبار دو۔ اپنی حمایت اور مدد کا وعدہ کرو۔ اسے مایوس نہ ہونے دو۔ وہ بہت گہری ہے۔ اسے تمہاری وفا کا اعتبار چاہیے۔ سمجھ رہے ہو میری بات۔"

"کیسے مگر کیسے؟ میں روز چھٹیاں لیتا رہا تو سروس باقی رہے گی۔"

"سروس کے چکر میں ناہید سے ہاتھ دھو لو گے؟ ارے زندگی رہی تو سروس بھی مل جائے گی۔ ناہید نہ رہی تو کس کے لیے کماؤ گے؟"

نزہت کا لہجہ نہ جانے اتنا سخت کیوں ہو گیا تھا۔ وہ اور نزہت اوپر تلے کے بہن بھائی تھے۔ ان میں محبت بھی تھی اور یگانگت بھی۔ نزہت اسے نصیحتیں کر رہی تھی جیسے بڑی بہن ہو۔ کال کافی لمبی ہو گئی۔

اسلم کو بڑی تسلی ہو گئی۔ دل کی بھڑاس نکل گئی تو قرار آ گیا۔ نزہت کے مشورے کے مطابق اس نے ناہید کو فون کیا۔ پھر اس نے ڈاکٹر سے میڈیکل سرٹیفکیٹ بنوا کر منگوایا۔ بیوی کی شدید علالت کے باعث دوبارہ چھٹی مل گئی۔ لیکن پندرہ دن اس کارروائی میں لگے۔

ملتان جا کر دیکھا۔ ناہید اب بہتر تھی مگر اسے صحت مند نہیں کہا جا سکتا تھا۔ فکر مند تھی۔ اداس بھی۔ اسے نہ جانے کیسے خدشے تھے۔ کتنی بے قراری سے

نے اسلم سے پوچھا تھا۔

"کیا اب میں کبھی لاہور نہیں جا سکوں گی؟ کیا مجھے یں رہنا پڑے گا؟ کیا چچی اماں مجھ سے خفا ہی رہیں گی؟ کوئی مجھے یہ تو بتائے کہ میرا قصور کیا ہے۔ میں نے کیا کیا ہے؟"

وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی اور گو پہلے تو کچھ نہیں بتایا تھا مگر اسلم کے پوچھنے پر اب اس نے روداد سنا ہی دی۔

جب اسلم اسے جان کنی کی حالت میں چھوڑ کر آ گیا۔ سلطانہ آپا بے بسی کے عالم میں خود چچی اماں کے پاس گئیں۔ ناہید کی حالت کے پیش نظر رو رو کر درخواست کی کہ وہ ایک بار اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ پھر اگر وہ منع کریں گی تو وہ ہاسپٹل جانے کا نام بھی نہیں لیں گی۔ مگر چچی اماں! پھر اختر بھائی سلطانہ آپا پر خفا ہونے لگے اور ٹیکسی لے آئے۔ ہاسپٹل کی ایمرجنسی میں ڈاکٹر سلطانہ آپا پر خفا ہونے لگی کہ "مریضہ موت کے قریب پہنچ گئی۔ تب آپ کو یہاں آنے کا ہوش آیا یوں تو پڑھے لکھے لگتے ہیں مگر جاہلانہ طور طریق نہیں بدل سکے پھر اس کی متاع حیات چھن گئی۔ وہ کیسے تڑپ تڑپ کر روئی۔

سلطانہ آپا نہ ہوتیں تو وہ مر ہی جاتی۔ انہوں نے اسے مرنے سے بچا لیا۔ تسلیاں دلاسے اور وہ بار بار پوچھتی۔

"سلطانہ آپا! اپنے دیور سے کہیے۔ مجھ سے خفا نہ ہوں۔ میں کب ہاسپٹل آنا چاہتی تھی۔ چچی اماں کی مرضی کے خلاف' بے ہوشی میں انسان کو کب پتا چلتا ہے پھر۔" اس کے رات دن کس طرح ملکتے ہوئے گزرے۔ بچے کا غم' اسلم کے جانے کا قلق۔ چچی اماں کی ناراضگی اور جب اسے ہاسپٹل سے ڈسچارج کیا گیا۔ اتفاق سے سلطانہ آپا نہیں جا سکیں۔ اختر بھائی نے سب بل ادا کیے۔ ٹیکسی میں اسے گھر لائے۔ تو چچی اماں کا عتاب۔ انہوں نے دروازہ کھولا ہی نہیں۔ وہ تو اس قابل نہ تھی کہ چیخ چلا کر ان سے معافی مانگتی۔ کمزوری کے باعث لڑکھڑانے لگی۔ بے ہوش ہونے لگی۔

تب اختر بھائی اسے اسٹیشن لے آئے۔ اسے کچھ خبر نہ ہوئی۔ کب ٹرین چلی۔ وہ تو برتھ پر گر کر شاید ہوش کھو بیٹھی تھی۔

"میں تو اس دہلیز پر جان دے دیتی۔ کبھی نہ جاتی کہیں۔ چاہے مر جاتی مگر نہ ٹانگوں میں طاقت تھی نہ زبان پر اختیار تھا۔ کچھ بھی نہ کر سکی اور جس بے سروسامانی کی حالت میں میکے پہنچی۔ وہ تو شرم سے مر جانے کا مقام تھا۔ اختر بھائی نے سامان چوری ہونے کی داستان سنا کر امی کو مطمئن کر لیا مگر میں اپنی جگہ اس قدر شرمسار اور پھر امی کی ڈانٹ۔ میں تو وہاں پہنچ کر بھی بیمار ہی رہی۔ شدید نقاہت کا دورہ تھا۔ اگر آپ نہ آتے تو اسی ڈر سے مر جاتی کہ آپ کی بھی نافرمانی کی ہے میں نے شاید۔"

اپنے جذبات و احساسات کی ترجمانی کرتے ہوئے بار بار بکھر رہی تھی' وہ کس مشکل سے اسلم نے اسے سنبھالا اور از سر نو سارے زخم ہرے ہو گئے۔ اپنے نقصان کا دکھ اور شدید ہو گیا۔ کیا تھا اگر وہ بچہ دنیا میں آ جاتا۔ کیوں ہوا ایسا؟ ناہید نے کتنی معصوم خواہشیں وابستہ کر لی تھیں اس بچے سے۔ جو ابھی دنیا میں آیا ہی نہ تھا۔

جب وہ لاہور گیا۔ جو وقت ناہید کے ساتھ ملتا' وہ بچے کی باتیں کرتی۔ وہ شرمیلی مسکراہٹ۔ جو اس کے لبوں پر چاندنی کی طرح چٹکا کرتی۔ آنکھوں میں چمکتی اور اس کے وجود میں مہکتی۔ اب ناہید ان دنوں کے مقابلے میں حسرت و یاس کا ایک سمندر بن گئی تھی۔ اسلم بھی اس کی تمناؤں کا قائل تھا۔ ڈاکٹر نے واضح طور پر کہا تھا۔

"خطرہ ٹل گیا ہے۔ لیکن ضرورت ہے کہ انہیں ہاسپٹل لے جائیں وہ کیا اس کے لیے اپنے بچے کی خاطر اماں کی اجازت ضروری نہ سمجھتا لے جاتا ہاسپٹل۔ سب کچھ ٹھیک ہو جاتا۔ اماں کا اشتعال۔ سلطانہ بھابھی کا تذبذب۔ خود اس کی بزدلی۔ سعادت مندی کا تمغہ لینے کا خواب۔ ارے تف ہے۔ اب کف افسوس ملنے کا کیا فائدہ۔ کتنی دفعہ سوچا تھا۔ ناہید کو کچھ عرصے کے لیے حیدر آباد لے آؤں۔ کچھ

دن تو اس کے ساتھ سیر تفریح میں گزارے جائیں۔ شادی ایسی ہوئی جیسے بوجھ اتارا جاتا ہے۔ نہ کوئی دھوم دھام۔ نہ خیر مقدمی نغمے۔ ہنی مون کے بجائے نوکری پر جانے کی جلدی تھی۔ پھر ساڑھے تین ماہ جدائی کے اور لاہور جا کر سارے ارمان پورے کرنے کا ارادہ۔ سب خواب جاگتی آنکھوں - خواب بن گئے۔ ہمت بھی نہ ہوئی کہ اماں سے ناہید کو لے جانے کی بات کرتا۔

اماں کا جو رویہ رہا۔ وہ یہی کہتیں۔

"بس نہیں رہا جاتا بیوی کے بغیر؟ یہی دعوے تھے۔ اب بیوی اتنی پیاری ہو گئی کہ دو دن کی جدائی بھی گوارا نہیں۔ کبھی ماں سے کہا ہوتا کہ اماں بہت یاد آ رہی ہو۔ چند دن کے لیے آجاؤ۔"

یہ وہ مکالمے تھے جو سرور بھائی اور سلطانہ بھابھی کے متعلق سنتا رہا تھا۔ اماں کو چچی جان سے کد تھی اور یہ ڈھکی چھپی نہ تھی۔ اتفاق سے سلطانہ ان کی بھتیجی تھیں۔ سرور کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی تھیں۔ دونوں کے خیالات یکساں۔ ذہنی ہم آہنگی غضب کی۔ سرور بھائی نے انہیں شریک حیات کے طور پر چن لیا۔

اماں کو پہلی تکلیف تو یہی پہنچی کہ وہ چچی جان کی بھتیجی تھیں۔

دوسرے یونیورسٹی کی پڑھی ہوئی۔ تیز طرار، بے باک۔

"اوئی یہ تو کانوں کا بستر خریدنے والی بات ہے۔"

مگر قسمت میں کانٹے ہی تھے۔ سرور کی خوش نصیبی تھی کہ ابا ان کے حمائتی بن گئے۔ شادی ہو گئی۔ سرور کی خوشی کی حد نہ تھی۔ جیسے کسی بچے کو من پسند کھلونا مل جائے۔ وہ فتح کے نشے میں چور سلطانہ کے ساتھ خوشیاں کشید کر رہے تھے۔ اماں ان کے لیے الجھنوں اور مسائل کی فصل تیار کر رہی تھیں ہر بات پر نکتہ چینی۔ ہر معاملے میں اختلاف۔ سلطانہ کا اچھا کام بھی نامنظور خدمت گزاری ڈھکوسلہ۔ خوش مزاجی ڈرامہ۔ مل کر رہنے، سب کو خوش رکھنے کی پالیسی چاپلوسی کی جائے۔ تو بندہ ایوس بھی ہو جاتا ہے۔

سلطانہ کم ہمت نہ تھی۔ بری او للعزم تھی۔ لیکن سسر کے انتقال نے ایک مضبوط حمایتی سے محروم دیا۔ سرور میں بھی پرکھ کی کمی تھی۔ لیکن وہ معاملا سمجھا نہ سکے۔ دو سال میں ہی حالات قابو سے باہ گئے۔ اختر کے سوا سلطانہ کا کوئی ہمدرد نہ تھا۔ کرائے دار سے کوٹھی کا پورشن خالی کرا لیا۔ اور س اور سلطانہ اس میں شفٹ ہو گئے۔ بہت لے د ہوئی۔ سلطانہ کو عیار، مکار، چلتر باز کا خطاب ملا۔

اسلم بھی سرور سے اس معاملے میں خفا ہو گ اماں کا لاڈلا۔ اماں سے اختلاف نہ کر سکا۔ اختر کو ہم بنانے کی کوشش بھی بے کار گئی۔ سرور نے اسلم کو کر کہا۔

"مجھے بتاؤ۔ پھر میں کیا کرتا۔ اماں کو سلطانہ کا گوارا نہیں۔ انہیں احساس ہی نہیں کہ ان کا بیٹا لڑکی کو بڑی جدوجہد کے بعد پا سکا ہے۔ یہ کچا بند نہیں۔ معمولی رشتہ نہیں تھا۔ کہ اماں کی خواہش سلطانہ سے کنارہ کش ہو جاتا۔ قصور کیا ہے اس مجھے بتاؤ۔ کبھی سلطانہ نے اماں سے بدتمیزی کی؟ قسم کی نافرمانی یا کوئی غلط قدم اٹھایا؟ کوئی کوتاہی کی؟" جب بھی اماں سے پوچھا۔ "آئیں بائیں شائیں کہ کا گوشت سرور کو کھلا کر قابو کر لیا ہے۔ وہ تو ماں کو ماں نہیں سمجھتا۔ جو وہ کہتی ہے وہی سرور کی زبان سے ہے۔"

"بھابھی نے کبھی آپ سے بدتمیزی کی ہو۔ یا کوئی اور حرکت۔" اسلم نے پوچھ لیا۔

"ارے مجال ہے۔ منہ نہ توڑ دیتی اس کلموہی کا۔" اماں کے پاس کوئی مثبت جواب تھا ہی نہیں۔

اسلم کی سمجھ میں یہی آیا کہ وہ اماں کو یقین دلا کہ وہ اماں کا فرماں بردار رہے گا۔ بیوی کی زبان نہیں بولے گا۔ اماں اور نصرت کے محاذ کے مقابلے میں سلطانہ کا دل داہ۔ ہر معاملے میں سلطانہ کی را سلطانہ کے مشورے سے گھر کی درستی ڈیکوریشن او اماں کہتیں۔

"اختر کو بھی کچھ کھلا دیا ہے جادو گرنی نے۔"

سلطانہ کی بنائی ہوئی پینٹنگز ڈرائنگ رو سے اتروالیں۔ سلطانہ کے ہاتھ کے بنائے

پھولوں کے فریم گیلری سے اتار کر چکنا چور کر کے پھینک دیے۔

"میرے گھر میں میری پسند کی سجاوٹ ہوگی۔ جب میں مر جاؤں۔ تب یہ فضولیات سجانا۔"

اماں غرا کر بولیں۔ سلطانہ چپ رہی۔ صرف اپنی انگلیاں دیکھتی رہی۔ شیشے کے پھول بناتے ہوئے کتنی بار زخم کھائے تھے اور کتنا خون بہا تھا۔

اختر اماں سے خوب لڑا تھا اور اسلم اس وقت بھی اماں کی زیادتی کو نظر انداز کر گیا۔ کیا اس کی خاموشی نے ہی اماں کو یہ حوصلہ نہ دیا تھا کہ وہ اس سے ظالمانہ فیصلہ کرانا چاہتی تھیں۔

اس کی شادی ابا اور چچا کی خواہش پر ہوئی تھی نہ کہ سلطانہ کا دخل تھا اس میں بلکہ سلطانہ نے مخالفت کی تھی۔ شاید اسی مخالفت کے نتیجے میں اماں کو ضد آ گئی۔ اور وہ ناہید کو بیاہ لائیں۔ سلطانہ کو ہر معاملے میں نیچا دکھانا۔ اسے کمزور کرنا۔ حقیر سمجھنا یہ رویہ رہا۔ جو اسلم کی اب سمجھ میں آ رہا تھا۔ جب ناہید کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک ہوا۔ مخالفت کی کوئی تو وجہ ہوتی ہے اور اگر وجہ تھی تو وہ کیا تھی؟ اتنی پوشیدہ کیوں تھی۔ کیا مخالفت میں پندرہ اتنا دشمن ہو سکتا ہے۔

ناہید کو نصرت نے دھکا دیا۔ ممکن ہے، وہ انجانے میں ایسا کر بیٹھی ہو۔ لیکن بعد میں اماں نے ناہید کو دیکھنے کی بھی ضرورت نہ سمجھی۔ ڈاکٹر کا آنا۔ یا سلطانہ بھابھی کا۔ اسے ہی اپنی انا کا، وقار کا سوال بنا کر اسلم سے بھی خفا ہو گئیں۔ اگر یوں نہ ہوتیں۔ اختر نہ ہوتا تو بچے کے ساتھ ناہید کی جان کو بھی خطرہ تھا۔

بھابھی تو اماں کی وجہ سے تذبذب کا شکار تھیں۔ بچہ تو ہو بھی جائے گا مگر ناہید کا نعم البدل ایک ماں جوان بیٹی سے محروم ہو جاتی۔ وہ چچی جان کو کیا جواب دیتا اور اماں کا خط اس کے جواب میں نزہت نے تو بہت دلاسا دیا تھا لیکن وہ ابھی اسی فکر میں مبتلا تھا۔ ناہید اسے متفکر دیکھ کر اس کی دلدہی کرنے لگی۔

"میں تو اب بالکل ٹھیک ہوں۔ کیوں فکر کر رہے ہیں۔ کھاتی پیتی ہوں۔ ہنستی بولتی ہوں۔"

"ناہید! تم خوش نہیں ہو۔"

"نہیں۔ مجھے کیا دکھ ہے بھلا۔ نزہت آپا کا فون آیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ان کے فون سے بہت اطمینان ہو گیا ہے مجھے۔"

ناہید کو اطمینان تھا۔ مگر اسلم بے چین تھا۔ وہ صرف اماں کے بے سروپا مفروضات کو بنیاد بنا کر ناہید سے باز پرس نہیں کرے گا۔ اس سے علیحدگی کا تو تصور بھی کر سکتا تھا کیا کمی تھی بھلا خوب صورت، خوب سیرت صابر ہر حال میں خود کو مطمئن رکھنے کا گر بھی اسے معلوم تھا۔ خموش اور نیک نفس۔ چچا کی بیٹی وہ چچا اور ابا کی روح کو کیا جواب دے گا۔ "اے خدا میری مدد کر" اللہ سے مدد مانگ کر وہ کچھ مطمئن ہو گیا۔ یہ طے تھا کہ ناہید سے علیحدگی گوارا نہ تھی۔ نصرت کی شادی میں شرکت بھی اتنی لازمی نہ تھی۔ اس رات بے خبر سویا۔ رات میں ناہید کی نازک انگلیوں کا لمس اسے بالوں کی جڑوں میں محسوس ہوتا رہا۔ کتنا آرام اور راحت پہنچانے والی تھی۔ وہ صبح کچھ دیر سے اٹھا۔ ابھی سب ناشتہ کر رہے تھے کہ سلطانہ بھابھی بیگ اٹھائے اندر چلی آئیں۔

"بھابھی آپ۔"

"اسلم! تم یہاں؟" وہ حیران تھیں۔

"میں ناہید۔" وہ اچانک چپ ہو گیا۔

"میں بھی ناہید۔" سلطانہ ہنس پڑی۔ "دراصل مجھے تو پتا ہی نہ تھا کہ ناہید ملتان چلی گئی ہے۔ یہ تو ابھی پچھلے دنوں اختر نے بتایا کہ وہ۔" ناہید نے سلطانہ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "سلطانہ آپا! یہاں کسی کو کچھ معلوم نہیں ہے۔"

"ہاں بھئی، اختر نے بتایا کہ تم دونوں کی بے خبری میں کوئی تمہارا سامان لے کر کھسک گیا۔ لیکن تمہیں اتنی جلدی کیا تھی۔ میرا انتظار کر لیتیں۔ مجھے بتاتیں تو۔"

"میں بھی یہی کہہ رہی تھی کہ ذرا طاقت بحال ہو جاتی۔ پھر سفر کرتیں۔"

"چلیں پھپھو! ٹھیک ہے۔ یہاں صحت ہو جائے گی۔ مگر ابھی بھی کمزوری باقی ہے۔

"دیکھ لو تم۔ کتنا تو خیال رکھتی ہوں۔ دوا علاج کھانا

پینا۔ مگر پتا نہیں سہمی ہوئی رہتی ہے۔ کس سے ڈرتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ اچھا باتیں بعد میں۔ تم ناشتہ کرو۔"

"ضرور کروں گی۔ آپ کو پتا ہے ٹرین کے ناشتے سے تو مجھے گھن آتی ہے۔ صبح فجر سے پہلے گھر سے چلی تھی۔ بھوک سے برا حال ہے۔"

ناشتے کے وقت ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ سلطانہ زیادہ تر شبنم سے مخاطب رہی۔ بلکہ اس کے ساتھ کچن میں جا کر کھانا بنایا۔ ناہید کی بے چینی عروج پر تھی۔ سلطانہ آپا بغیر اطلاع آ گئیں۔ کیوں صرف مجھ سے ملنے۔ میری خیریت معلوم کرنے۔ وہ تو فون پر بھی معلوم کر سکتی تھیں۔ وہ اسلم کی طرف دیکھتی۔ وہ بھی لاعلم تھا۔

ناہید کی امی کے اسکول سے آنے کے بعد سب نے کھانا کھایا۔ جب سب آرام کرنے لیٹ گئے تو سلطانہ چپکے سے ناہید کے کمرے میں آئی۔ ناہید منتظر تھی۔

"سلطانہ آپا! خیریت ہے۔ آپ کیسے اچانک آ گئیں؟" وہ بے قراری سے پوچھ رہی تھی۔

"تمہاری خبر لینے آئی ہوں۔ بے وقوف! اتنا لمبا سفر اور ایسی نحوش کنڈیشن۔ تمہیں میرا گھر بھی نظر نہیں آیا اور پھوپھو کو پریشان کرنے یہاں آ پہنچیں۔" وہ باقاعدہ ڈانٹ رہی تھی۔

"میں تو یہی کہہ رہی تھی۔" وہ اداسی سے بولی۔ "مگر اختر بھائی نے کہا کہ انہیں کسی مزید تمغوں کی حاجت نہیں۔ وہ پہلے ہی ڈسٹرب ہیں۔ میں آپ کی زندگی میں مزید زہر گھولنے آ جاتی۔"

"میں تو الزام پروف ہوں۔ مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ مجھے تو تمہاری فکر تھی۔ ایسی حالت میں ٹرین کا سفر خطرناک ہو سکتا تھا۔"

"مجھے کچھ نہیں معلوم۔ جب اس ٹھرے دروازے مجھ پر بند ہو گئے۔ تو میں اسی جگہ مرجانا چاہتی تھی۔ مگر اختر بھائی وہ زبردستی مجھے یہاں لے آئے۔"

"میں نے اختر کی خوب کھنچائی کی ہے۔" سلطانہ نے بتایا "اور اب وہاں تمہارے خلاف ایک محاذ قائم ہو چکا ہے۔ تمہارے فرار کی داستان ہر گھر میں پہنچ چکی ہے۔ اختر نے گھر چھوڑ دیا ہے۔ بس سمجھو ثبوت بھی مل گیا۔ اب کون گہرائی میں جائے گا۔"

"سلطانہ آپا! کیا کیا میں اب سسرال نہیں جا سکتی؟ لوگ کیا کہیں گے؟ میرا اب ہو گا کیا؟ میں نے امی کو کچھ بھی نہیں بتایا۔ وہ کیا سوچیں گی۔" ناہید پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"روؤ تو مت ناہید۔ یہ تو اسلم کے سوچنے کی بات ہے۔ کہ کس طرح وہ تمہاری عزت بحال کرتے ہیں۔ تم بیوی ہو۔ اسلم کا فرض ہے کہ بدگمانیوں کے پردے چاک کریں۔ تمہارا حق ہے ان پر۔"

"میں، میں تو نہیں چاہتی کہ چچی اماں مجھ سے بدگمان ہوں۔ میں نے ہمیشہ ان کی عزت کی۔ وہ میری ساس ہی نہیں۔ سگی چچی ہیں۔ وہ پتا نہیں کیوں ہمیشہ مجھ سے ناراض رہیں۔ میں ان کے پیر پکڑ لیتی۔ مگر انہوں نے دروازہ ہی نہیں کھولا۔"

وہ روئے جا رہی تھی۔ اسلم سن رہا تھا۔ یہ کسی عیار، مکار عورت کی گریہ وزاری نہیں تھی۔ ڈراما نہیں تھا۔ یہ تو دکھے دل کی فریاد تھی۔

"ایک تو تمہیں رونے آنسو بہانے کے سوا کچھ نہیں آتا۔" سلطانہ نے ڈانٹا۔ "خود کو اتنا کمزور کیوں سمجھ رہی ہو۔ شروع دن سے تم ڈری سہمی چوہیا کی طرح بلوں میں پناہ ڈھونڈتی رہیں۔ اسی لیے یہ حال ہوا ہے۔ ناہید! مر بھی جاؤ گی تو کوئی تمہاری معصومیت کا یقین نہیں کرے گا۔ زندہ رہو اور زندگی سے اپنا حق طلب کرو۔ اپنا وقار مانگو نہ ملے تو چھین لو، یہاں آ کر بیٹھ گئیں۔ وہاں روز عورتوں کا میلہ لگتا ہے۔ کریدتی ہیں۔ سوالات ہوتے ہیں۔ رشتے دار آتے ہیں۔ معلومات کا پٹارہ اٹھا کر جاتے ہیں۔ کب تم نے کیا کیا؟ کیسے اپنی چالاکی سے سب کو مٹھی میں کیا۔ الو کا گوشت کھلایا اور وہ سب کیا جو پھوپھو کرتی رہی تھیں۔ یاد رکھو جب تک خاموش رہو گی۔ لوگ بولتے رہیں گے اور تم بولو گی تو سب چپ ہو جائیں گے۔ تجھے دیکھو، الزام لگائے جاتے ہیں مگر رشتے داروں کی ہمدردیاں میرے ساتھ ہیں۔ وہ مجھے آزماتے ہیں۔

تصدیق کے لیے میرے گھر جھانکتے ہیں۔ اور میرے گن گاتے ہوئے جاتے ہیں۔ میں ساس کی باتیں سن لیتی ہوں۔ اگر دوسرا کوئی کچھ کہے گا تو مجھ سے سنے گا بھی۔ یہ ہے اس دنیا میں زندہ رہنے کا گر۔ مت ڈرو لوگوں سے سوائے اپنے رب کے۔ مانگو رحم لوگوں سے کہ ان کے دل رحم سے خالی ہیں۔ مانگو اپنے خدا سے۔"

سلطانہ کو غصہ آ گیا تھا اسلم کی خاموشی پر۔

"بھابھی! مجھے اماں کی زیادتیوں کا احساس ہے۔ مگر میں ان سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ میں ان کی ناہید سے نفرت کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔ مگر سوال نہیں کر سکتا۔" اسلم بے چارگی سے بولا۔

"تو پھر تیار رہو۔ اماں ناہید کو تم سے جدا کرنے کا تہیہ کیے بیٹھی ہیں۔ انہیں پچھلے ماہ تمہارے یہاں آنے کی خبر بھی ملی ہے۔ اور انہوں نے قسم کھائی ہے کہ طلاق کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں۔ ضد ہو گئی ہے انہیں۔ میں تو یہی خبر لے کر ناہید کو ہوشیار کرنے آئی تھی اور کسی طرح اسے تمہارے پاس پہنچانے کا ارادہ لے کر۔ تاکہ تم کو کچھ ہوش آئے۔ اسلم! وہاں بہت بدنامی ہو رہی ہے۔ اب تمہیں ناہید کی خاطر ذرا غلط بیانی سے کام لینا ہو گا کہ تم خود اسے ملتان لے کر آئے تھے۔ اختر کہیں۔ تم لاہور سے کہیں نہیں گئے تھے۔ وہیں تھے مگر گھر سے باہر، سمجھے یا تمہارے پاس کوئی اور حل ہو تو بتاؤ۔"

"مگر چچی جان اور شبنم گواہ ہیں۔ اگر کسی کے منہ سے سچ نکل گیا؟" اسلم پریشان ہو گیا۔

"کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ اسلم گھر بہت مشکل سے بستے ہیں اور آسانی سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ پچھتاووں کے سوا اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اگر تمہاری نظر میں ذرا سی بھی عزت ہے ناہید کی۔ تو اس کا دنیا کی نظروں میں بھی وقار بحال کرنے کی تدبیر کرو۔"

اسلم بے بسی سے ناہید کو دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر دہشت تھی۔ خوف تھا۔ اور آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ وہ کبھی اسلم کو دیکھتی کبھی امداد طلب نظریں سلطانہ پر ٹک جاتیں۔

"اسلم! گواہی تم دو گے۔ تب ہی ناہید کی وقعت ہو گی۔ تم ناہید کو یہاں چھوڑ کر حیدر آباد چلے گئے تھے۔ بس اتنا ہی کہنا کافی ہے۔"

"مگر بھابھی! میں اتنا بڑا جھوٹ کیسے بولوں گا۔" وہ بے بسی کا شکار لگ رہا تھا۔

"دیکھو، تم سے کوئی قسم تو نہیں لے گا۔ جو تم کہو گے لامحالہ سب اس پر یقین کریں گے۔ ہاں اگر تمہیں شک ہے۔ ناہید کے کردار پر اعتبار نہیں تو الگ بات ہے۔ ویسے اختر میرے ساتھ آیا ہے۔ ان کی یونیورسٹی کا سیمینار ہے یہاں۔ بہت سے لڑکے آئے ہیں، تب ہی میں نے ہمت کر لی آنے کی۔ تم اختر سے تصدیق کر لو۔ حلف اٹھوا لو۔"

اسلم تھرا گیا۔ "بھابھی! توبہ توبہ۔ آپ کیا سمجھ رہی ہیں۔"

"میں وہ کہہ رہی ہوں جو وہاں خبریں پھیلائی جا رہی ہیں۔ ان کا سدباب کرنا چاہتی ہوں میں اور بس۔ وہ بھی اس احمق اور کم عقل لڑکی کی خاطر۔ یہ تو مر جائے گی۔ ساتھ میں اس کی ماں بھی۔ معلوم ہے نا وہ انجائنا کی مریض ہیں۔ میں ان ہی کی خاطر دوڑی آئی ہوں۔ وہاں۔ علیحدگی کے کاغذات تیار ہو رہے ہیں" سلطانہ طیش کے عالم میں تھی۔

اسلم جانتا تھا۔ ایسا ہو رہا ہو گا۔ مگر اس کی مرضی کے بغیر کوئی کیا کر سکتا ہے۔ یہ سلطانہ نہیں سمجھ رہی تھی۔

"اچھا خیر۔ میں تو کل چلی جاؤں گی۔ ناہید کو خبردار کرنے آئی تھی۔ اب تم خود جو چاہو حل نکالتے رہو۔ یا پھر طلاق دینے کو تیار رہو۔"

"میری مرضی کے بغیر کوئی کیا کر سکتا ہے۔" اسلم کو بھی جھلاہٹ نے آگھیرا۔

"وہ کوئی نہیں تمہاری اماں ہیں۔ جن کے اشارے پر تم نے ناہید کو اس حال تک پہنچا دیا ہے۔ خودکشی کی دھمکی کافی رہے گی۔"

دانت پیستی وہ کمرے سے نکلی تو کونے میں ششدر کھڑی شبنم کو دیکھ کر کڑبڑا گئی۔ شبنم چائے کا پوچھنے آئی تھی۔ ناہید کے رونے کی آواز پر رک گئی اور اس

نے سب کچھ سن لیا تھا۔ اب دم بخود تھی۔ سلطانہ اس کو کھینچتی ہوئی لے گئی۔ اب شبنم کو سمجھانا اور تسلی دینا۔ اس کا فرض تھا۔ شبنم ناہید ہی کی بہن تھی اور آنسو بہانے میں وہ بھی ماہر۔

"ہم غریب لوگ ہیں سلطانہ آپا! اس لیے آپی کے ساتھ یہ ہو رہا ہے۔ کوئی دولت مند لڑکی ہوتی۔ تو اس کے ماں باپ وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

"نہیں میری جان! یہ غربت، امارت کی بات نہیں۔ اسلم زیادہ ہی فرماں بردار فرزند ہیں۔"

اسلم نے ناہید کو دیکھا۔ "تم بھی تو کچھ بولو۔"

"میں۔ میری کوئی حیثیت ہوتی۔ تو آپ خود ہی میری پشت پناہی کر لیتے۔ دوسروں کے مشورہ، کی ضرورت نہ پڑتی۔ آپ خود با اختیار ہیں۔ یا چچی اماں۔ جو آپ کا فیصلہ ہوگا۔ میں اسے قبول کر لوں گی۔"

وہ زور زور سے رونے لگی۔ جب صبر حد سے گزر جائے ضبط کی ڈوری کمزور پڑ جائے۔ بے بسی محیط ہو جاتی ہے۔ ناہید بہت کمزور تھی۔ سلطانہ اندر آ گئی۔

"ارے ہائیں ہائیں ناہید! پھپو کے کمرے میں آواز جا رہی ہے۔ خدا کے لیے چپ ہو جاؤ۔ آنسو کسی دکھ کا درماں نہیں ہوتے میری بہن۔ اگر تم سیدھی راہ چل رہی ہو گی۔ تو منزل ملے گی۔ مضبوطی سے وقت کے ساتھ چلو۔ نا انصافی کے سامنے ڈٹ جاؤ۔"

سلطانہ اسے لپٹا کر سمجھانے لگی۔ ناہید نے آنسو پونچھ لیے اور سلطانہ سے الگ ہو کر بولی۔

"کچھ بھی نہیں ہو گا سلطانہ آپا! میرے نصیب کی سیاہی مجھے زندہ نہیں چھوڑے گی کس وقار کی۔ کس انصاف کی۔ کس منزل کی بات کرتی ہیں آپ۔ میں تو پچھلے پانچ سال سے جنگ کر رہی ہوں۔ انصاف، وقار، عزت، کچھ نہیں ملا۔ منزل تو دور کی بات ہے۔ کاش کہ آپ نے مجھے ایک بار ہمت کر کے کنویں میں دھکیل دیا ہوتا۔ ایک بار ہی مر جاتی ڈوب کر سسک سسک کر روز تو نہ مرتی۔"

سلطانہ کا ہاتھ چھڑا کر وہ تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ سلطانہ ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئی۔

"سنو اسلم! تم ناہید کو حیدر آباد لے جاؤ۔"

"کہاں لے جاؤں۔ میرا تو کوئی گھر نہیں۔ ایک لڑکے کے ساتھ رہتا ہوں۔"

"اگر پندرہ دن ہوٹل میں رہ لو گے۔ تو کچھ نہ بگڑے گا۔ ویسے میرے چچا زاد بھائی کی سالی رہتی ہیں وہاں۔ ان کا میاں امریکا میں ہے۔ انہیں کسی شریف فیملی کی تلاش ہے۔ جو آدھے پورشن میں رہ لے۔ اس کے سوا تو اور کوئی حل نہیں۔ سب کی زبانیں بند ہو جائیں گی۔"

"بھابھی! آپ مجھے بتائیں تو سہی۔ یہ خبریں آپ کو کس سے ملی ہیں۔"

"تمہارے ماموں زاد بھائیوں، بہنوں سے۔ خالہ زاد بہن سے۔ تمہاری پھوپھی زاد بہن کی بیٹی سے۔ کس کس کے نام گنواؤں۔ جو کوئی اماں کے پاس جاتا ہے۔ میرے پاس آ کر قصہ لے بیٹھتا ہے۔ یقین کسی کو نہیں آتا مگر ایک سے دوسرے تک خبر پہنچ رہی ہے کہ ناہید غائب ہے۔ ناہید، اختر کے ساتھ گئی۔ ناہید گھر سے بھاگ گئی۔ میں تو سن سن کر پاگل ہو گئی ہوں۔ تمہارے ایک عمل سے سب کی زبانیں بند ہو جائیں گی۔"

ناہید نے حیدر آباد جانے سے انکار کر دیا۔ "میں اپنے باپ کے گھر زیادہ محفوظ ہوں۔ اگر جانا ہے۔ تو لاہور جاؤں گی۔ اس گھر میں جہاں بیاہ کر گئی تھی اور جو میرے چچا کا گھر ہے۔ اسی میں میری عزت ہے۔ وہی گھر میرے وقار کا ضامن ہے۔"

رات کو اختر بھی آ گیا۔ اسلم کو دیکھ کر حیران ہوا۔

"بھیا! آپ بھابھی کو لاہور لے جائیں۔ یہاں کب تک رہیں گی۔" اس نے اکیلے میں کہا۔ "آپ کو شاید بڑی بھابھی نے نہیں بتایا۔ اماں آپ کی دوسری شادی تابندہ باجی سے کرنے کے لیے ماموں کے گھر چکر لگا رہی ہیں۔"

"تابندہ۔ وہ تو مجھ سے بڑی ہیں۔" اسلم پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

"تو کیا ہوا۔ پہلے بھائی جان کے لیے انہیں نامزد کیا تھا اماں نے۔ بھائی جان کے انکار کے بعد ان کی شادی

ہو گئی۔ اب وہ طلاق لے کر آ گئی ہیں۔ تو قرعۂ فال آپ کے نام پڑا ہے۔"

"یہ کس نے، مطلب کون کر رہا ہے۔" اسلم ہکلانے لگا۔

"تمہاری بزرگ آپا نصرت۔ انہیں بہت ہمدردی ہے تابندہ باجی سے۔ آپ سے بہتر شوہر انہیں کہاں دستیاب ہو گا۔ نیک، فرماں بردار، معصوم۔ شوہر اور برادر کے ساتھ ساتھ بیٹے کی کمی بھی پوری کرنے والا۔" اختر نے لک کر کہا۔ اسلم اسے مارنے دوڑا۔

گھر میں اداسی کا دور دورہ تھا۔ اختر نے شور شرابا کر کے رونق پیدا کرنے کی کوشش کی۔

"بھابھی! کیوں نہ محفل شادی کی تقریب منعقد کر لی جائے؟" اختر نے سلطانہ کے کان کے پاس منہ لے جا کر کہا۔ سلطانہ نے گھور کر دیکھا۔

"دراصل بڑا دل چاہ رہا ہے۔ چلیں شادی نہیں تو منگنی سہی۔ آپ ہیں، بھیا بھابھی ہیں۔ ایمان سے دشمنوں کے کان بہرے۔"

"منگنی مگر کس کی؟"

"میرے سوا کوئی اور نظر آ رہا ہے آپ کو پرفیکٹ مستقبل کا دولہا۔"

"فضول بکواس مت کرو۔ موقع دیکھ کر بات کی جاتی ہے۔ ناہید کو دیکھ رہے ہو۔ کیا حال ہو رہا ہے۔ اوپر سے فکر الگ۔"

"ان ہی کو خوش کرنا چاہ رہا ہوں۔ آپ چچی جان سے بات کریں۔ میں شبنم سے منگنی کر کے ہی لاہور جاؤں گا۔"

ایک دھماکہ سا تھا یہ جملہ۔ وہ سنجیدہ تھا۔

"اور اگر نکاح کر کے رخصت کرا لوں تو اس میں بہت سوں کا بھلا ہے۔ آپ چچی جان سے میری بزرگ بن کر بات کریں۔"

اختر کی سنجیدگی سے سلطانہ کو خوف آ رہا تھا۔

ناہید بھی بستر سے اٹھ گئی۔

"بھابھی! آپ میری وکالت کریں گی۔" اس نے ناہید سے کہا۔

"اختر بھائی۔ ہمارے لیے مشکلیں نہ کھڑی کریں۔ ایسا کر کے آپ کس کو فائدہ پہنچائیں گے؟ مجھے؟ اپنی ماں سے مقابلہ کریں گے؟ نہیں۔ میں ایسا کبھی نہیں چاہوں گی۔"

"آپ کے چاہنے سے کیا ہو گا۔ ابا اور چچا کے درمیان میری اور شبنم کی بات طے ہو چکی ہے۔ آپ تو شادی رچا کر بیٹھ گئیں۔ میری باری پر دعا بات کریں ان سے۔"

"اختر۔" سلطانہ نے تیز آواز میں ڈانٹا۔ "چپ رہو۔ ابھی تمہارے بڑے زندہ ہیں۔ تم اکیلے ایسی بات کہنے کے مجاز نہیں ہو۔"

"مجاز نہیں ہوں۔ تو جاں نثار اختر تو ہوں۔" اختر شوخ ہو چلا۔

"بھابھی جان، آپ ہیں۔ اسلم بھیا ہیں۔ میں آپ سے ہی درخواست کر رہا ہوں۔ میں یہ منگنی کر کے جانا چاہوں گا۔ میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں۔ کہ فیصلہ کرنے کا حوصلہ ہے مجھ میں۔ اگر کوئی بات اپنے لیے بہتر سمجھتا ہوں۔ تو دوسرے کے اختلاف کی پروا نہیں کرتا اور یہ میرا حق ہے۔"

"گڈے گڑیا کا کھیل نہیں ہے اختر۔" اسلم نے سنجیدگی سے اختر کو سمجھانا چاہا۔

"میں انتہائی سنجیدہ ہوں۔ کھیل تو آپ رہے ہیں۔ چوہے بلی کا کھیل۔ ہمت بھی نہیں، قوت فیصلہ نہیں۔ دوسرا کوئی قدم اٹھائے تو اس کا حوصلہ بھی پست کر رہے ہیں۔ بھیا! مجھے ناہید کو ہر حال میں لاہور لے کر چلنا ہے۔ وہ الزامات، بہتان جو ہم پر لگائے گئے ہیں۔ ان کا تدارک کرنا ہے اور مجھے آپ کی مدد درکار ہے۔ شبنم سے منگنی کا فیصلہ اکیلے میرا نہیں میرے ابا اور چچا کا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ شبنم اور میرے بندھن کی مضبوطی ہر مخالفت کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ میں توڈٹا ہوا ہوں۔ آپ ہی پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ میرے بڑے ہیں آپ۔ بڑی بھابھی بھی ہیں۔ آپ لوگوں کی موجودگی کافی ہے۔"

"سلطانہ آپا کے جرائم میں ایک اور ناکردہ جرم کا اضافہ۔" ناہید تلخ ہو گئی۔

"میری تو فکر نہ کرو۔" سلطانہ نے سب کو مسکراتی

نظروں سے دیکھا۔ "میں تو دو دن کے لیے اپنی ایک سہیلی کی شادی میں گجرات گئی ہوئی ہوں۔" سلطانہ اختر کی مخالفت نہیں کر رہی تھی۔

اسلم الجھ کر رہ گیا۔ "نتیجہ کیا ہوگا؟"

"کم از کم خراب نہیں ہوگا۔ ایک مقصد کے لیے ایسا قدم اٹھانا۔ مثبت نتیجہ دے گا۔ میں آپ کے آشیانے کو بکھرنے سے روکنے کی تدبیر کر رہا ہوں۔ کچھ تلخ ترش۔ برا بھلا سننا پڑا۔ تو کوئی میری صحت پر اثر نہیں پڑے گا۔ بھابھی کی صحت بحال ہو جائے گی۔"

اختر پر اعتماد تھا۔ "یا پھر صاف کہہ دیں۔ آپ نہیں چاہتے۔" وہ جھلا کر کھڑا ہو گیا۔

ممکن نہ تھا کہ گھر میں نرم گرم گفتگو ہو اور چچی جان بے خبر رہیں۔ وہ سفید چہرہ لیے سامنے آ کر کھڑی ہو گئیں۔ بیٹیوں کے چہرے دیکھے۔ تنے ہوئے بے رونق چہرے۔ آنسوؤں سے لبریز آنکھیں۔ سلطانہ نے نرم الفاظ میں انہیں مسئلہ بتایا۔ ساتھ ہی اختر کی طرف سے منگنی کی تجویز۔

"پارٹی اسٹرانگ ہو گی تو کسی کی ہمت نہ ہو گی کہ ناہید پر جبر کیا جا سکے۔ اختر کو بھی حق حاصل ہو جائے گا۔ خود سلطانہ بھی مدافعت کر سکے گی۔ وغیرہ۔ ناہید کا گھر بسانے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا پھپھو۔"

وہ انہیں پاس بٹھا کر آرام سے بول رہی تھی۔ مگر ان کا چہرہ دم بدم رنگ بدل رہا تھا۔

"پاگل ہو گئے ہو تم لوگ۔" آخر بھرائی آواز میں انہوں نے کہا۔ "ایک کا گھر بسانے کے لیے دوسری بیٹی بھی جہنم میں جھونک دوں۔ ناہید کا رشتہ اس کے باپ، چچا کے درمیان طے ہوا تھا۔ وہ بہت پریشانی اور مایوسی کا زمانہ تھا۔ میں کچھ بول نہیں سکی۔ مگر اب، اب میں کوئی رسک نہیں لوں گی۔ بیٹیاں بہت نازک ہوتی ہیں۔ بیٹی کی آنکھ سے ٹپکا ایک آنسو ماں باپ کے سینے کا ناسور بن جاتا ہے اور میری معصوم صابر بچی تو جس دن سے آئی ہے۔ اس کے آنسو نہیں تھمے۔ کیا میں اتنی نادان ہوں کہ سمجھ نہ سکوں گی۔ پس پردہ کوئی اور دکھ ہے۔ بچے کا دکھ اتنا بڑا نہیں ہوتا۔ میں سمجھ رہی تھی، یہ چھپا رہی ہے کوئی بڑا واقعہ۔ مگر میں چپ رہی۔ میں نے بھی بہت کچھ چھپایا تھا۔ مجھ پر بھی بہتان تراشی ہوئی تھی۔ الزام لگائے گئے تھے۔ میں نے اپنی طاقت، برداشت پر اس گھر کو، اس شہر کو چھوڑ دیا تھا۔ ہاں اس وقت ایک طاقت تھی۔ تمہارے باپ کی رفاقت اور پشت پناہی مگر ناہید اس سے محروم ہے۔ اس لیے میں تو بس اس کے لیے دعا ہی کر سکتی ہوں۔ اسلم بیٹیاں بڑی پیاری چیز ہیں۔ خدا کرے تم بیٹی کے باپ بنو۔ پھر تم کو علم ہو گا۔ بیٹی کے نصیبوں کے خدشے اور اندیشے کس طرح ماں باپ کو بے چین رکھتے ہیں۔ راتوں کی نیندیں اڑا دیتے ہیں۔" وہ بلک بلک کر رونے لگیں۔

"پھوپو! پھوپو! ہمت سے کام لیں۔ آپ تو بہت حوصلے والی ہیں۔"

"ہاں۔ بہت حوصلہ تھا کبھی۔ خود پر لگے سارے الزام حوصلے سے برداشت کر لیے۔ ساری زیادتی ہنس کر قبول کر لی۔ میں کب چاہتی تھی کہ میری معصوم بچی اسی آگ کا ایندھن بنے۔ جس نے مجھے کندن بنایا۔ اس میں وہ طاقت اور صلاحیت نہیں تھی۔ مگر یہ بڑوں کا فیصلہ تھا۔ قدرت کا حکم تھا۔ چپ رہی۔ آج تک زبان نہیں کھولی۔ کبھی نہیں پوچھا بیٹا تجھ پر کیا گزر گئی۔ میں جانتی تھی اس کے ساتھ کیا ہو گا۔ لیکن اسی کی خاموشی، صبر، اور خدمت گزاری اطاعت کا جذبہ۔ میں مطمئن تھی کہ یہ جیت لے گی۔ کوئی کب تک آزمائے گا۔ لیکن اس روز جب یہ میرے دروازے پر آ کھڑی ہوئی۔ خدا دشمن کو ایسا منظر نہ دکھائے۔ لگتا تھا قبر سے اٹھ کر مردہ کھڑا رہے۔ کھڑا ہونا کیسا۔ پیروں میں سکت کہاں تھی۔ وہ دیوار پکڑے کھڑی تھی۔ میرے قدموں سے زمین سرکی جا رہی تھی۔ یقین کرو پہلی نظر میں تو میں پہچان نہ سکی پھر پتا نہیں کیا ہوا۔ کس طرح میں اسے سیدھی کلینک لے گئی اور گھر آ کر بیٹھ گئی۔ میں نے صبر کر لیا۔ میں اسے ڈاکٹر کے حوالے کر آئی تھی اور سوچ بیٹھی تھی کہ اب اس کے ڈیڈ باڈی اٹھوا لینے کا فون آتا ہو گا۔ لیکن قدرت کے کرشمے کے صدقے۔ اب دیکھ لو جان ہے۔ امنگ نہیں۔ بیٹا اختر! تمہارا خلوص، تمہارا تعاون میں اس

احسان کو جان دے کر اتار سکتی ہوں۔ بیٹی دے کر نہیں۔ مجھ میں اب سکت نہیں۔ اگر اسلم کی مرضی نہیں۔ تو اس ساری تگ و دو کا فائدہ کیا ہے۔ ہونے دو جو اس کے نصیب میں ہے۔ مجھے دیکھو۔ ماں ہو کر اسے شعلوں کے سپرد کر کے گل و گلزار ہونے کی تمنا لیے بیٹھی ہوں۔"

اچانک ان کی ہچکیاں رک گئیں۔ وہ ہنسنے لگیں۔ ہنستی ہی چلی گئیں۔ سب پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا۔ اسلم مجرموں کی طرح سر جھکائے بیٹھا تھا۔ سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگا۔ کیا چچی جان کا دماغ الٹ گیا ہے۔ صدمے کی زیادتی سے۔

"امی کیوں کر رہی ہیں ایسا رحم کریں ہم۔ پر امی نہ کریں پریشان۔"

"تم کون ہو؟" انہوں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"میں۔ میں آپ کی بیٹی ہوں۔ آپ کی شبنم۔" وہ رو رہی تھی اور اس کی ماں ہنس رہی تھیں۔

"ہوا ایک اور بیٹی بھی ہے۔ دیکھا تم نے۔ ایک اور قربانی دینے کے لیے تیار، آگ میں کودنے کے لیے۔"

"نہیں، نہیں میں بے مقصد قربانی نہیں دوں گی میں لڑوں گی۔ مقابلہ کروں گی۔" شبنم ماں کا چہرہ تھام کر کہہ رہی تھی۔ "بغیر لڑے ہتھیار ڈالنا تو حماقت ہے نا امی۔ مقابلہ کیے بغیر میدان چھوڑنا بزدلی ہے۔ آپ نے بھی یہی کیا تھا۔ ابی نے بھی وہی کیا مگر میں۔ میں ایسا نہیں کروں گی۔ آپ میرا ساتھ دیں گے نا اختر بھائی؟" وہ اچانک مڑی تھی۔

اختر قدرے جھلا کر مجذوب انداز میں بڑبڑایا "اس موقع پر بھی بھائی۔ حد ہے۔"

چچی جان نے بیٹی کو لپٹا لیا۔ وہ اب پھر آنسو بہا رہی تھیں۔

"ہاں میری جان! تم مقابلہ کر سکتی ہو۔ مگر اب میں ناہید کے لیے کوئی خطرہ نہیں مول لوں گی۔"

وہ جیسے ہوش میں آ گئی تھیں۔ شاید چند لمحوں کے لیے ذہن کہیں کھو گیا تھا۔ بھول گئی تھیں کہ یہاں کون سا مسئلہ زیر بحث ہے۔ دل پر چوٹ ہی ایسی لگی تھی جس نے حواس گم کر دیے۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا پھپھو! آپ دل پر بوجھ نہ لیں۔ ہم سب آخر ناہید کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ کوئی حل تو تلاش کر لیں گے۔ فکر نہ کریں۔" سلطانہ انہیں تھپک رہی تھی۔

"نہیں کوئی کچھ نہیں کرے گا۔ کسی نے کب کچھ کیا ہے۔ اگر اسلم نے کچھ نہ کیا تو میں خود عدالت کا در کھٹکھٹاؤں گی اپنی بیٹی کے سکھ کے لیے۔ ارے ایسی زندگی کس کام کی۔ تھنور میں عمر گزر جائے۔ خلع لے لوں گی میں اور اس کی زندگی پھر سے نئے راستوں پر گامزن ہو جائے گی۔ اللہ ہے ہمارے ساتھ۔ اس بھنور سے وہ کنارہ بھلا۔ دے دینا طلاق اسلم! اپنی ماں کا مان ہو تم۔ مگر جو کرنا ہے، بہت جلد تاکہ میں اور ناہید اس عذاب زندگی سے چھٹکارا پائیں۔"

وہ منہ ہاتھوں میں چھپائے بلک رہی تھیں۔ ناہید سفید چہرہ لیے فق آنکھوں سے ماں کو دیکھ رہی تھی۔

اختر نے کھڑے ہو کر چچی کا کندھا تھام لیا۔ "چچی جان! فکر نہ کریں نہ روئیں۔"

"تم اسلم سے کہو ہم بہت برداشت والی ماں بیٹیاں ہیں۔ وہ جب چاہے۔ آزاد کر دے۔"

اسلم کے چہرے پر زردی چھا گئی تھی۔ سلطانہ بھی سانس روکے بیٹھی تھی اور شبنم بھی۔ "میں اسے کسی ایسے مزدور کے حوالے کر دوں گی۔ جو میری بیٹی کی عزت کروائے بھی کرے بھی۔ ہمیں دولت نہیں محبت چاہیے۔ خاندان اور پوزیشن نہیں، احترام چاہیے۔"

سب ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے۔ چچی جان کی سسکیوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔

"چچی جان! میں وہ مزدور ہوں۔ جو آپ کی بیٹی کو اسی گھر سے عزت احترام دلوائے گا۔ اسی گھر میں اپنے حقوق کو استعمال کرے گا۔ جو اسلم بھائی نہیں کر سکے۔ آپ ناہید کے مستقبل سے مایوس نہ ہوں۔ میں اس کی کشتی ساحل مراد تک پہنچاؤں گا۔"

اسلم تھر تھر کانپتے ہوئے غیظ و غضب کی حالت میں آگے بڑھا۔ اس کے حلق سے ایک جنگلی نعرہ بلند ہوا، در و دیوار تھرا گئے۔ پورا گھر گونج اٹھا۔

"بے غیرت! ذلیل! کتے کمینے میری یہ جرات۔"
وہ بے دردی سے اختر کو مار بھی رہا تھا۔ گالیاں بھی دے رہا تھا۔ ناہید گھٹنوں میں سر چھپائے بیٹھی جھوم رہی تھی اور شبنم کو تو جیسے کسی نے مسمرائز کر دیا تھا۔ چچی جان نے آگے بڑھ کر اسلم کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"بس بیٹے۔ بہت نمائش ہو گئی تمہاری غیرت اور بہادری کی۔"
اسلم اپنی جگہ جادو کی طرح رک گیا۔
"بیٹا! جب تم فرہاں برداری کا تمغہ لینے کی خاطر ناہید کو اپنی زندگی سے نکال پھینکو گے۔ تب کیا وہ دنیا چھوڑ دے گی نہیں میں ہوں اس کی مختار اور جس کو چاہوں گی اس کا ہاتھ تھماؤں گی۔ وہ اختر ہی کیوں نہ ہو۔"
کہہ کر بے مہر نظر اس پر ڈالتی وہ باہر نکل گئیں۔ ان کے پیچھے سب باہر چلے گئے۔ اکیلا اسلم خالی خالی نظروں سے دیواریں دیکھتا رہا۔ یہ کیسا منصوبہ میرے خلاف بن رہا ہے۔ ادھر اماں۔ ادھر چچی جان اور اختر یہ سب مجھ سے میری زندگی ہی کیوں چھین لینا چاہتے ہیں۔ برا ہوں یا بھلا۔ بزدل ہوں یا غیرت مند۔ انہیں اس سے کیا غرض۔ میری بیوی، میری زندگی میری روح اس سے تو کوئی پوچھے، وہ کیا چاہتی ہے۔ میری زندگی سے نکلنا؟ مجھ سے دوری؟ نہیں۔ برداشت نہیں کرے گی۔ خواہ کتنی ہی قوت برداشت ہو اس میں، وہ مر جائے گی۔ میں اس کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔
وہ جھپٹ کر باہر نکلا۔ برآمدے میں چچی جان ناہید کو گلے لگائے آنسو بہا رہی تھیں۔ ناہید ان کا ہاتھ پکڑے اپنے آنچل سے ان کے آنسو خشک کر رہی تھی۔ وہ ناہید کو پکارتا ہوا برآمدے میں آیا۔ شبنم سامنے بیٹھی کہہ رہی تھی۔
"سلطانہ آپا درست کہتی ہیں۔ آنسو کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتے۔ کسی درد کا درماں نہیں بنتے۔ امی! آنسو بہانے بند کیجیے۔ آپی کو کمزور نہ بنائیے۔ انہیں اپنا راستہ چن لینے دیجیے۔ فیصلے کا اختیار اب ان ہی کو ہونا چاہیے۔"
اسلم ناہید کو پکارتا اس کے سامنے چلا گیا۔ "ناہید،

ناہید اٹھو آؤ چلو۔"
ناہید کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ جیسے ان میں خون بھرا ہو۔ پپوٹے سوجے ہوئے تھے۔
"کہاں؟" اس نے سر اٹھا کر اسلم کو دیکھا۔
"کوئی سوال نہیں۔ جہاں میں لے جاؤں گا۔ تمہیں وہیں جانا ہے۔"
"میں لاہور جاؤں گی۔" وہ پختہ لہجے میں بولی۔
"کیوں؟ اماں کو نیچا دکھانے کے لیے۔" وہ بھنا گیا۔
"نہیں اپنی پوزیشن صاف کرنے کا حق ہے مجھے۔ الزامات کی سیاہی دور کرنے کے لیے میرا اسی گھر میں جانا ضروری ہے۔ خواہ مجھے چچی اماں کے جوتے کھانے پڑیں۔"
ناہید کا لہجہ بدلا ہوا تھا۔ "آپ کو احساس نہ ہو۔ مگر میں ضروری سمجھتی ہوں۔"
"ناہید! مجھے احساس ہے۔ مگر ابھی فوری طور پر مجھے بھی اپنی پوزیشن کلیر کرنے دو۔ چچی جان کے سامنے سرخ رو ہونے دو پلیز۔"
"بیٹی! ضد نہ کرو۔" چچی جان بھرائے گلے سے بولیں۔ "ضد اچھی چیز نہیں اسلم جیسا کہے۔ اس وقت مان لو۔"
"امی! اگر ابھی میں چچی اماں کو نہ منا سکی۔ پھر زندگی بھر منہ نہ دکھاؤں گی۔"
سلطانہ کمرے سے نکلی۔ اس کے ہاتھ میں بیگ تھا
"اچھا پھپھو۔ مجھے اجازت دیں۔ میری سہیلی کی شادی آج تھی۔ دن کی تقریب تھی۔ میاں صاحب نے اسی شرط پر اظہر کو اپنے پاس رکھ لیا تھا کہ میں رات تک پہنچ جاؤں گی۔"
"سلطانہ! ابھی کھانا بھی نہیں کھایا اور۔" وہ پریشان ہو گئیں۔
"پھپھو! اگر آج شام تک نہ پہنچی۔ تو میاں سمجھیں گے میں اختر کے ساتھ نکل گئی۔"
"اختر بھائی! بہت مشہور ہو رہے ہیں آپ۔" شبنم نے سلطانہ کے پیچھے کھڑے اختر کو خطاب کیا، وہ ہنس رہی تھی۔ اختر نے منہ بنا کر گردن موڑ لی۔
"آہ، آج دوبارہ بھائی۔ اسی لیے نکاح نہیں ہو سکا

ابھی" وہ بڑبڑایا۔
شبنم کا چہرہ لال ہو گیا۔ سلطانہ ہنس پڑی۔
"چچی جان! آپ تیار رہیں۔ اگلی بار آؤں گا۔ تو اماں ساتھ ہوں گی۔ اور سہرا پہن کر ہی آؤں گا۔ کہ انکار نہ ہو۔ دیر کی گنجائش نہ ہو۔"
"خیالات بدلتے رہتے ہیں موصوف کے۔" سلطانہ نے شبنم سے کہا "اچھا اب چلو ٹرین ہمارا انتظار نہیں کرے گی مستقبل کے دولھا جان؟" سلطانہ نے اپنا بیگ اٹھا لیا۔ اختر نے جھپٹ کر اس سے بیگ چھینا۔
"اپنا بوجھ مجھے دے دیں۔ آسانی سے اٹھا سکتا ہوں۔"
"کس کس کے بوجھ اٹھاؤ گے اختر۔ کہیں تھک نہ جانا۔" سلطانہ سنجیدہ تھی۔
"بھابھی! نیکی کر کے کون تھکا ہے۔ اچھا چچی جان! دعاؤں کے حصار میں رخصت کریں۔ بہت گالیاں اور مار کھائی ہے۔ دیکھنا شبنم! کوئی زخم کوئی نشان رہ تو نہیں گیا۔"
وہ شبنم کے عین سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔
شبنم سرخ ہو گئی۔ [redacted] کے دوران آدمی کو پتہ نہیں چلتا۔ کہاں زخم لگا۔ کہاں خراش آئی۔

"کچھ نہیں ہوا۔" شبنم بڑبڑائی۔
"ڈھیٹ ہڈی کے کچھ نہیں لگتا۔ زخم نہ خراش۔" اسلم نے شبنم کی طرف مڑ کر دیکھا۔ جو ابھی تک اختر کی نظروں کے حصار میں تھی۔
"اچھا چچی جان! ہمیں بھی رخصت کریں۔ بھابھی ہم! آپ کے ساتھ ہی چل رہے ہیں۔" وہ اب سلطانہ سے مخاطب تھا۔
اختر نے نعرہ لگایا۔ "یاہو"
ناہید لہراتی ہوئی اٹھی۔ "مگر سامان۔"
"لے کر بھی آئی تھیں کچھ؟ چوری تو نہیں ہو گیا تھا؟" اختر نے آنکھیں نکالیں۔
وہ سب ایک ساتھ ٹیکسی میں بیٹھے۔ تو خواتین کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ لب مسکرا رہے تھے۔ مرد دونوں سنجیدہ بنے بیٹھے تھے۔
"دیکھو بھئی۔ میں تو گجرات سے آئی ہوں۔ مجھے رکشے میں بٹھا دینا۔ تم لوگ ذرا ادھر ادھر گھوم کر کچھ دیر لگا کر پہنچنا۔ میرے میاں کو شک نہ ہو جائے۔"
"خیر آج نہیں مگر کل آ کر بتا دوں گا۔"
"کیا بتاؤ گے؟" سلطانہ نے پچھلی سیٹ سے ہاتھ بڑھا کر اگلی سیٹ پر بیٹھے اختر کے کان پکڑے۔
"یہی کہ میں گجرات گیا تھا۔ شادی بڑی دھوم دھام سے منعقد ہوئی۔ مگر آخر میں بھگدڑ ہو گیا۔ وہ دلہن کے بجائے سلطانہ بیگم کا مطالبہ کر بیٹھے۔ میں نہ ہوتا تو گئی تھیں آپ ان منکوحہ، ملتان تک پیچھا کیا۔ تب انہیں لے کر آیا ہوں۔"
"بہت مار کھاؤ گے اختر۔" سلطانہ کو ہنسی آ گئی۔
"اختر مار کھانے کے لیے ہی تو آیا ہے دنیا میں۔ ادھر بھیا نے کوئی کمی تو نہیں کی۔"
"تم نے بکواس جو کی تھی۔ چچی جان نہ روکتیں۔ تو میں گلا دبا دیتا۔"

"میں یہی چاہتا تھا۔ غیرت کو جگانے کے لیے کوئی اور حل جو نہ تھا۔" وہ آہستہ سے کہہ کر بلند آواز میں ہنسنے لگا۔

جوں جوں لاہور قریب آرہا تھا۔ سب کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ ناہید کے ہاتھ ٹھنڈے ہوئے جا رہے تھے۔ سلطانہ اس کو کندھے سے تھامے تسلی دے رہی تھی۔ اسلم نے دوسری طرف سے ناہید کا ہاتھ تھام لیا۔ اختر ادھر ادھر کے لطیفے سنا کر ماحول کی سنگینی دور کر رہا تھا۔ ٹرین پلیٹ فارم پر رکی۔ تو ناہید نے سنبھل کر قدم بڑھائے۔ لاہور اسٹیشن کی زمین پر اس کے پاؤں لرزنے لگے۔ عجیب بات تھی۔ نہ سلطانہ نے الگ جانے کی کوشش کی۔ نہ اختر جدا ہوا۔ بلکہ سب ایک ساتھ گھر میں داخل ہوئے۔ اس طرح کہ ایک جانب سے اسلم نے ناہید کو پکڑا ہوا تھا تو دوسری طرف سلطانہ نے۔ اختر آگے آگے سلطانہ کا بیگ اٹھائے فاتحانہ انداز میں نعرے لگاتا ہوا داخل ہوا۔

"اماں، ہم آگئے۔"

اماں نے عجیب سی بات کہی تھی بلکہ عجیب و غریب اسلم بعد میں بھی سوچ کر حیران ہوتا رہا۔ سب کو ساتھ آتے دیکھ کر اماں کو حیرانی ضرور ہوئی تھی۔ مگر انہوں نے کچھ کہا نہیں سلطانہ ایک طرف سے اور ناہید دوسری جانب سے ان کے گلے لگیں۔ اماں کچھ بدبدا کر ان کے سروں پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔

"دیکھا اماں۔" سلطانہ نے چمک کر اماں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ "میں لائی ہوں ناہید اور اسلم کو۔ اسلم نے ملتان میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ حیدر آباد لے جا رہے تھے ناہید کو۔ ناہید نے کہا۔ میں پہلے لاہور جاؤں گی۔"

"بھابھی! آپ بہت جلد بھول جاتی ہیں۔" اختر نے یاد دلایا۔ "آپ تو گجرات گئی ہوئی تھیں۔ سہیلی کی شادی میں۔"

سلطانہ نے زبان دانتوں تلے دبالی۔ توبہ کے انداز میں گال پیٹے۔ لگے ہاتھوں زوردار تھپڑ بھی اختر کے جڑ دیا۔

"واہ۔ اختر کیا مار کھانے کے لیے ہی دنیا میں آیا ہے۔" اختر بدک کر پیچھے ہوا۔ "وہاں ملتان میں اسلم بھیا نے میری دھنائی لگائی۔ اماں سچ بہت پٹا ہوں۔ آپ کان کھینچیں اسلم بھیا کے۔" وہ چلا رہا تھا۔

سلطانہ اور ناہید ہنسنے لگیں۔ اسلم مسکرایا۔ اماں کے ہونٹوں پر بھی تبسم لہرایا۔ انہوں نے اختر کو گلے لگا لیا۔ دور بیٹھی نصرت حیرت و پریشانی سے اس ملن کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ سب اتفاق کی برکتیں ہیں بھیا۔" نزہت نے سب کچھ سن کر فون پر مبارکباد دی۔ "جب تک سب الگ الگ رہے۔ سرور بھائی سلطانہ بھابھی کے سلسلے میں تم الگ تھلگ، خفا خفا۔ ناہید کے معاملے میں سرور بھائی، سلطانہ بھابھی بے نیاز۔ اختر کی تو کوئی سنوائی ہی نہ تھی۔ جب سب ایک ہو گئے۔ تو اماں بھی پسیج گئیں۔ ہر کسی سے لڑنے کا حوصلہ ان میں نہیں۔ کمزور کو سب دباتے ہیں بھیا۔ اب ناہید کمزور نہیں۔ نصرت بے چاری عقل کی کمی کا شکار۔ اسے بھی ہوش آگیا ہو گا۔"

"ہاں اب اسے اپنی شادی کے لیے ناہید اور سلطانہ بھابھی کی ہر وقت مدد درکار ہوتی ہے۔ یقین کرو نزہت! وہ ماحول ہی سارا بدل گیا۔ پہلے والا گھر ہی نہیں رہا۔ بھابھی، سرور بھائی اب ہماری طرف زیادہ رہتے ہیں۔ بھابھی کے مشوروں سے ہی نصرت کا جہیز وغیرہ بن رہا ہے۔ نصرت نے سب سے معافی بھی مانگی۔"

"ویری گڈ اور چچی جان۔"

"اور اختر کے کہنے پر۔ اماں نے چچی جان اور شبنم کو نصرت کی شادی کے لیے مہینہ بھر پہلے سے بلایا ہے۔ چھٹیاں بھی ہوں گی۔" اسلم نے پوری رپورٹ نزہت کو دے دی اور سکون کا سانس لیا۔

ہر قسم کے دکھ دور ہو چکے تھے۔ فکروں کے بادل سرک گئے تھے۔ ہر طرف ٹھنڈی چاندنی کا دریا بہہ رہا تھا۔ امن، چین اور سکون۔ یہی زندگی ہے اور اس دنیا میں شیطان نت نئے رنگوں میں نمودار ہو کر امن کو جنگ میں بدل ڈالنے کی تدبیریں کرتا رہتا ہے۔ قسم قسم کی تخریب کاری۔ مگر ایک نیکی اس کے سارے کس بل نکال دیتی ہے۔

★

ختم شد